بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

۞۞۞۞۞۞۞

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی رسولہ الکریم

آج کل نئی باتوں کو ہوا دینا اور لوگوں کو شکوک میں مبتلا کرنا ایک فیشن بن گیا ہے، ان نئی باتوں میں سے جن کو ہوا دی جارہی ہے ضعیف حدیث کی حجیت کا انکار بھی ہے؛ حالانکہ ضعف کے درجات ہیں اور احکام کے بھی درجات ہیں، جو حکم فضیلت اور استحباب کے درجہ میں ہو اس کے لیے ضعیف حدیث بھی کافی ہے، چونکہ یہ فتنہ بار بار سر اٹھاتا ہے اس لیے جناب مولانا محمد الیاس شیخ نے اس سلسلہ کے متفرق مواد جمع کیا، بندہ نے بھی کچھ مشورے دیے اور کچھ کتابوں کی نشاندہی کی، اللہ اس تالیف کو مقبول اور نافع بنادے اور امت کو صراط مستقیم پر چلنے اور اکابر کا دامن پکڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(حضرت مفتی) رضاء الحق (صاحب حفظہ اللہ)

خادم الافتاء والتدریس بدار العلوم زکریا

لینیشیا، جنوبی افریقہ

۲ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

مطابق ۱۶، اگست ۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہِ تالیف

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، أما بعد :

قرآن کریم پوری انسانیت کے لیے ابدی قانون اور دستور العمل ہے اور حدیث رسول اللہ ﷺ اس کی تفسیر وتشریح ہے؛ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود قرآن کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا اوراس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق عمل کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں؛ چنانچہ سرورِ کائنات ﷺ کے اقوال، افعال وتقریرات، معاشرتی احوال واخلاق، صحابہ کرام کی مقدس ہستیوں کے ذریعہ یہ رشد وہدایت کا پرنور خزانہ نقل در نقل ہوتا ہوا امت کو پہنچا ہے، اس کی صحت وصداقت کی پہچان کے لیے محدثین اور فقہاء نے مختلف قوانین اپنائے، نیز ثبوت واستناد کے اعتبار سے حدیثوں کے مختلف درجات قائم کیے، جن کو صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ سے جانا جاتا ہے؛ اسی وجہ سے عمل اور استدلال کے اعتبار سے بھی ان میں فرقِ مراتب پایا جاتا ہے۔

اقسامِ حدیث میں صحیح وحسن اپنی اقسام کے ساتھ بغیر کسی اختلاف کے قابلِ استدلال ہیں، دین کی تمام شاخوں میں اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے؛ البتہ ضعیف حدیث کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ احکام یعنی حلال وحرام کے باب میں حجت ہوگی یا نہیں؟ لیکن ابواب فضائل اعمال، ترغیب وترہیب، قصص ومغازی وغیرہ میں تو

جمہورِ امت کے نزدیک قابلِ حجت ہے۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کی جانب سے پوری شد و مد کے ساتھ یہ غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے کہ ضعیف حدیث قطعاً قابلِ اعتبار نہیں اس کا محل حدیثِ موضوع کی طرح ردی کی ٹوکری ہے۔

صرف صحیح حدیث حجت ہے، صحیح کے مصداق میں کچھ باشعور حضرات حسن کو بھی شامل کر لیتے ہیں، ورنہ عام سطح کے لوگ اس کو بھی روا نہیں سمجھتے، اور بعض حضرات تو صرف صحیحین کو تسلیم کرتے ہیں گویا ان کے نزدیک پورا دین صحیحین میں منحصر ہے، اور دوسرے بعض نے تو دیگر تمام اہم کتب کی صحیح اور ضعیف کی طرف تقسیم شروع کر دی، مثلاً صحیح الکتاب الفلانی وضعیف الکتاب الفلانی، اس طرح بے شمار کتبِ حدیث کو عمل جراحی کا نشانہ بنا رکھا ہے اور اپنے اجتہاد کے مطابق دو خانوں (صحیح وضعیف) میں تقسیم کر کے شائع کر دیا ہے۔ فالی اللہ المشتکی .

کتبِ حدیث سے اس عمل جراحی کو ختم کرنے کے لیے اس مواد کو جمع کیا گیا ہے کہ محدثین وفقہاء کے نزدیک ضعیف حدیث کا کیا مرتبہ ہے؛ جبکہ سلف وخلف بلا چوں و چرا فضائل میں اس پر عمل کرتے نظر آتے ہیں، نیز اگر ضعیف حدیث کا محل بالکل ردی کی ٹوکری ہوتا تو پھر ترمذی شریف، ابوداؤد شریف اور ابن ماجہ شریف وغیرہ جن کا صحاحِ ستہ میں شمار ہوتا ہے، اِن کتبِ حدیث میں بڑی تعداد میں احادیثِ ضعاف موجود ہیں، پھر ان کا کیا ہوگا؟ نیز بڑے بڑے محدثین نے ابوابِ فضائل، اذکار اور ادعیہ نیز زہد و تقویٰ، ترغیب وترہیب پر مشتمل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

جن میں سے چند بطورِ ''مشتے نمونہ از خروارے'' ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں:

كتاب الزهد	(امام احمد بن حنبل)
الأب المفرد	(امام بخاری)
فضائل القرآن	(امام شافعی)
كتاب الزهد	(عبداللہ بن مبارک)
كتاب الترغيب و الترهيب	حافظ ابوالقاسم الاصبہانی
الترغيب و الترهيب	(حافظ منذری)
عمل اليوم الليلة	(امام نسائی)
عمل اليوم و الليلة	(امام ابن السنی)
الأذكار	(امام نووی)
كتاب الدعاء	(امام طبرانی)
فضائل القرآن	(محقق ابن کثیر)
فضائل القرآن وتلاوته	(ابوالفضل الرازی)
من فضائل سورت الاخلاص وما لقارئها	(ابوالحسن الخلال)
فضائل الأوقات	(امام بیہقی)
فضائل التسمية باحمد و محمد	(حسین بن احمد بن عبداللہ بن بکیر)
فضائل الصحابة	(امام احمد بن حنبل)
فضائل القرآن	(الفریابی)
فضائل القرآن	(قاسم بن سلام)
فضائل القرآن	(محمد بن ضریس)

فضائل بیت المقدس	(ضیاء الدین المقدسی)
فضائل شهر رمضان	(ابن شاہین)
فضائل مکه و السکن فیها	(حسن بصری)
فضائل مدینة	(ابوسعید الجندی)
فضائل رمضان	(ابن ابی الدنیا)
فضائل الأعمال	(ضیاء الدین المقدسی)
فضائل شهر رجب	(ابوالحسن الخلال)
فضائل فاطمة	(ابن شاہین)
الترغیب فی فضائل الأعمال وثواب ذلک	(ابن شاہین)
المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح	حافظ ابومحمد الدمیاطی
الزهد الکبیر	(امام بیہقی)
الزهد	(ابن ابی حاتم الرازی)
الزهد	(ابن ابی داؤد)
الزهد	(اسد بن موسیٰ)
الزهد	(ابن ابی عاصم)
الزهد	(ہناد بن سری)
الزهد	(وکیع بن جراح)
الزهد و صفة الزاهدین	(ابن الاعرابی)

فضائل درود شریف میں: القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع

(حافظ سخاوی)۔اور القربة الی رب العالمین بالصلاۃ علی محمد سیدالمرسلین ، لابن بشکوال۔

ان تمام کتب کا کیا ہوگا؟ جبکہ ان کتب میں سے اکثر کتب کا وافر حصہ احادیث ِضعاف پر مشتمل ہے۔ نیز ضعیف کو رد کرنا بالفاظِ دیگر دین کو رد کرنا ہے؛ کیونکہ فضائل، اذکار اور ادعیہ کا شریعت میں بڑا مقام ہے جن کا اکثر حصہ احادیثِ ضعاف پر مشتمل ہے یہ پورا ضائع ہوجائے گا۔ چونکہ یہ فتنہ بار بار سر اٹھاتا ہے اس لیے حضرت الاستاذ مفتی رضاءالحق صاحب ادام اللہ فیوضہم کی رہنمائی اور افادات کی روشنی میں اس مضمون کے مواد کو ۲۰۰۷ء میں جمع کیا گیا تھا۔

بعدازاں ضرورت محسوس ہوئی اور برادرِ محترم مولانا رفیق صاحب کی طرف سے بھی بار بار طباعتِ جدیدہ کا تقاضا ہوا تو حضرت مفتی صاحب کے افادات کی روشنی میں مزید اضافات اور اصلاحات کے ساتھ از سرِ نو مرتب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو نافع اور مقبول بنائے ، اور امت کو صراطِ مستقیم پر چلنے اور اکابر دامن پکڑنے کی توفیق عطا فرمائے ، آمین۔ تخصص کے جن طلباء نے بندہ کی معاونت کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور مستقبل کے لیے کامیابی اور کامرانی کا وسیلہ بنائے ، آمین۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم وتب علینا إنک أنت التواب الرحیم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وأصحابه أجمعین .

راقم الحروف: بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت

معین دارالافتاء، دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

۱۵/شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ بمطابق ۱۲/مئی ۲۰۱۷ء بروزِ جمعہ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

حدیثِ ضعیف کی تعریف:

(الف) لغوی تعریف:

ضعیف بمعنی کمزور ضَعُفَ (کَرُمَ) سے ضعیف وکمزور ہونا۔

اور کمزوری وضعف حسی بھی ہوتا ہے اور معنوی بھی ہوتا ہے، یہاں معنوی مراد ہے۔

(علوم الحدیث ص ۱۲۵، وتیسیر مصطلح الحدیث ص ۵۳).

(ب) اصطلاحی تعریف:

(۱) کل حدیث لم یجتمع فیه صفات الحدیث الصحیح و لا صفات الحدیث الحسن فهو حدیث ضعیف . (مقدمة ابن صلاح ص ۲۰).

(۲) وهو ما لم یجمع صفة الحسن بفقد شرط من شروطه .

(تیسیر مصطلح الحدیث ص ۶۳).

(۳) وهو ما لم یجتمع فیه شروط الصحیح و الحسن.

(ظفر الأمانی ص ۱۰۸).

حدیثِ ضعیف وہ ہے جس میں صحیح اور حسن کی شرائط نہ پائی جائیں۔

حدیثِ صحیح اور حسن کی شرائط درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

شرائط الصحیح و الحسن: حدیثِ صحیح وحسن کی شرائط:

وشروط القبول ستة: حدیث قبول کرنے کی چھ شرائط ہیں۔

(۱) اتصال السند. حدیث کی سند کا متصل ہونا۔

(۲) و عدالة الرجال. رجال کا عادل ہونا۔

(۳) والسلامة من كل خطأ و غفلة . خطا اور غفلت سے محفوظ ہونا۔

(۴) ومجيء الحديث من وجه آخر. دوسرے طریق سے بھی ثابت ہونا۔ (یعنی ضعیف حدیث متعدد طرق سے حسن لغیرہ میں شامل ہوجاتی ہے)۔

(۵) والسلامة من الشذوذ . شذوذ سے محفوظ ہونا۔

(٦) والسلامة من العلة القادحة . علتِ قادحہ سے محفوظ ہونا۔

(ظفر الأماني ص۱۰۸).

حدیث صحیح کی پانچ شرطیں ہیں: سند کا متصل ہونا، راویوں کا عادل ہونا، ضابط ہونا، اور حدیث کا شذوذ اور علتِ قادحہ سے محفوظ ہونا۔

حدیثِ حسن بھی انھیں صفات کی حامل ہوتی ہے، البتہ اس کے کسی راوی میں ضبط کے اعتبار سے معمولی کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی حدیث نہ تو صحیح کہی جاسکتی ہے اور نہ ہی ضعیف میں شمار ہوتی ہے، حسن کی ایک قسم وہ ضعیف حدیث ہے جو تعددِ طرق کی وجہ سے قوت پاکر حسن بن جاتی ہے، اور جو حدیث اس سے بھی فروتر ہو وہ ضعیف کہلاتی ہے جس کے مراتب مختلف ہوتے ہیں، سب سے گھٹیا موضوع ہے۔

صحیح اور حسن کے تو قابل استدلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ جمیع ابوابِ دین میں مراتب کا خیال کرتے ہوئے ان سے استدلال کیا جاتا ہے، البتہ ضعیف کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ (حدیث اور فہم حدیث ۴۲۵)۔

ضعیف حدیث کی حجیت اوراحکام اورفضائل میں اس کا اعتبار جمہورمحدثین اورفقہاء کی نظر میں:

فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کے متعلق محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

روی الخطیب البغدادی فی " الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع "(رقم: ۱۲۸۰): قال: أنا محمد بن أحمد بن یعقوب أنا محمد بن نعیم ، قال: سمعت یحیی بن محمد العنبری، یقول: نا محمد بن إسحاق بن راهویه، قال: کان أبي یحکي عن عبد الرحمن بن مهدی ، أنه کان یقول: إذا روینا فی الثواب والعقاب وفضائل الأعمال ، تساهلنا فی الأسانید والرجال، وإذا روینا فی الحلال والحرام والأحکام تشددنا فی الرجال .

خطیب بغدادیؒ اپنی متصل سند سے فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہؒ اپنے والد سے عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کا قول نقل کرتے تھے: جب ہم ثواب وعقاب اورفضائل کے

بارے میں روایت لیتے ہیں تو اس میں نرمی برتتے ہیں، اور جب ہم حلال وحرام اور شرعی احکام کی روایت لیتے ہیں تو راویوں کی سخت جانچ پڑتال کرتے ہیں۔

(۲) ابوعمرو بن صلاحؒ اور حدیثِ ضعیف کی حجیت:

قال الشیخ تقي الدین ابن الصلاح : نقاد أهل الحدیث یتسامحون فی أسانید الرغائب و الفضائل . (البدر المنیر لابن الملقن: ۲/ ۲۸۰، ط: الریاض).

شیخ تقی الدین ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں: احادیث کو پرکھنے والے محدثین ترغیب اور فضائل والی حدیثوں کی سند میں درگزر سے کام لیتے ہیں۔

قال: یجوز عند أهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الاسانید وروایة ما سوی الموضوع من انواع الحدیث الضعیفة من غیر اهتمام ببیان ضعفها فیما سوی صفات اللّٰه تعالی و الأحکام الشرعیة من الحلال و الحرام و غیرهما و ذلک کالمواعظ و القصص و فضائل الاعمال وسائرفنون الترغیب و الترهیب، وسائرما لا تعلق له بالاحکام و العقائد ممن روینا عنه التنصیص علی التساهل فی نحو ذلک عبد الرحمن بن مهدی و احمد بن حنبل رحمهما اللّٰه. (مقدمه ابن الصلاح ص ۹۲)

(۳) خطیب بغدادیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

وقال الخطیب فی" الکفایة فی علم الروایة " (ص ۱۳۳،باب التشدید فی احادیث الاحکام و التجوز فی فضائل الاعمال) قد ورد عن غیر واحد

من السلف أنه لا يجوز حمل الأحاديث المتعلقة بالتحليل و التحريم إلا عمن كان بريئاً من التهمة بعيداً من الظنة ، و أما أحاديث الترغيب و المواعظ و نحو ذلک فإنه يجوز کتبها عن سائر المشايخ ثم أسند هذه الآثار التالية :

خطیب بغدادیؒ اپنی کتاب ''الکفایہ'' میں فرماتے ہیں: بہت سے سلف سے یہ بات منقول ہے کہ حلال وحرام سے متعلق حدیث صرف اسی شخص سے لینا درست ہے جو ہر قسم کی تہمت اور بدگمانی سے بری اور دور ہو؛ البتہ وعظ اور ترغیب وغیرہ کی حدیثوں کو سب مشائخ سے لیا جاسکتا ہے۔ پھر خطیبؒ نے درجِ ذیل آثار ذکر کیے ہیں:

(۴) حضرت سفیان ثوریؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

ا / عن سفيان الثوري قال: لا تأخذوا هذا العلم في الحلال و الحرام إلا من الرؤساء المشهورين بالعلم الذين يعرفون الزيادة و النقصان ، و لا بأس بما سوى ذلک من المشايخ[۳].

ا۔ سفیان ثوریؒ سے منقول ہے: حلال وحرام سے متعلق حدیث کے علم کو صرف انھیں محدثین سے لو جو اس فن میں مشہور ومعروف، اور اس فن کی باریکیوں سے آگاہ ہیں اور باقی حدیثوں کو دوسرے مشائخ سے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) حضرت سفیان بن عیینہؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

۲ / عن سفيان بن عيينة قال: لا تسمعوا من بقية ما كان في سنة و اسمعوا منه ما كان في ثواب و غيره .

۲۔سفیان بن عیینہؒ سے منقول ہے: بقیہ (محدث) سے احکامات کے بارے میں کوئی حدیث نہ لو، اور جو حدیث ثواب اور اس کے علاوہ کے بارے میں ہو وہ لے لو۔

(۶) امام احمد بن حنبلؒ اور فضائل میں تساہل:

۳ / عن أحمد بن حنبل قال : إذا روينا عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا في الأسانيد وإذا روينا عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في فضائل الأعمال وما لا يضع حكماً ولا يرفعه تساهلنا في الأسانيد .

۳۔احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے: جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حرام و حلال، سنن و احکام سے متعلق کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو ہم اس کی سند کے بارے میں سختی سے کام لیتے ہیں، اور جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعمال کی فضیلتوں، اور ایسی حدیثوں کے بارے میں روایت کرتے ہیں جن سے شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہو رہا ہو تو ہم سند میں نرمی سے کام لیتے ہیں۔

(۷) شیخ ابوزکریا عنبری اور ترغیب وترہیب میں چشم پوشی:

۴ / عن أبي زكريا العنبري قال: الخبر إذا ورد لم يحرم حلالاً ولم يحل حراماً ، ولم يوجب حكماً ، وكان في ترغيب أو ترهيب أو تشديد أو ترخيص : وجب الإغماض عنه والتساهل في رواته . انتهى النقل عن الخطيب .

۴۔ابوزکریا العنبریؒ سے منقول ہے: کوئی حدیث جب کسی حلال شئی کو حرام

نہیں کررہی اور حرام شئی کو حلال نہیں کررہی، اور نہ ہی اس سے شریعت کا کوئی حکم ثابت ہورہا ہے، بلکہ وہ حدیث صرف ترغیب وترہیب یا حکم میں رخصت یا شدت بتلانے کے لیے ہے، تو ضروری اور لازم ہے کہ اس کے راویوں کے بارے میں چشم پوشی اور نرمی سے کام لیا جائے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا موقف:

الجرح والتعدیل میں ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: باب في الآداب والمواعظ أنها تحتمل الرواية عن الضعاف ؛ قال: حدثني أبي نا عبدة بن سليمان قال: قيل لابن المباركؒ وروى عن رجل حديثاً فقيل: هذا رجل ضعيف، فقال: يحتمل أن يروى عنه هذا القدر أو مثل هذه الأشياء، قلت لعبدة: مثل أي شيء كان؟ قال: في أدب ، في موعظة ، في زهد أو نحو هذا . (الجرح والتعديل : ۲/۳۰،ط: دائرة المعارف العثمانية).

یعنی عبدالرحمٰن بن ابی حاتم اپنے والد سے اور وہ عبدہ بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارکؒ نے ایک راوی سے روایت نقل کی تو ان پر اشکال ہوا کہ وہ راوی ضعیف ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: اس جیسی روایات اس جیسے راوی سے نقل کرنا جائز ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ میں نے عبدہ سے پوچھا اس جیسی کا کیا مطلب؟ تو عبدہ بن سلیمان نے کہا: ادب واخلاق، پندونصیحت اور زہد وتقویٰ وغیرہ میں ضعیف رواۃ سے نقل کرنا جائز ہے۔

(۹) امام یحییٰ بن معین اور مغازی میں حدیث ضعیف کا اعتبار:

قال عثمان بن سعيد الدارمي: سألت يحيى بن معين عن البكائي أعني زياداً فقال: لا بأس به في المغازي وأما في غيره فلا . وسألت يحيى قلت: عمن أكتب المغازي ممن يروي عن يونس أوغيره قال اكتبه عن أصحاب البكائي .(تاريخ يحيى بن معين ،ص ۱۱۴، رقم:۳۴۸).

امام یحییٰ بن معینؒ نے مغازی میں احادیثِ ضعاف کی اجازت دی ہے۔

(۱۰)امام بخاریؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

امام بخاریؒ نے مقامِ احتیاط میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے،صحیح بخاری شریف میں فخذ کے ستر میں داخل ہونے کی روایت جرہد سے مروی ہے اورعدمِ ستر کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جوصحیح ہے،امام بخاریؒ فرماتے ہیں: باب ما يذكر في الفخذ ويروى عن ابن عباس رضی اللہ عنہ وجرهد ومحمد بن جحش عن النبي صلى الله عليه وسلم:" الفخذ عورة " وقال أنس رضی اللہ عنہ : حسر النبي صلى الله عليه وسلم عن فخذه وحديث أنس رضی اللہ عنہ أسند وحديث جرهد أحوط حتى يخرج من اختلافهم . (صحيح البخاري: ۱/۵۳، ط : فيصل) اگرکوئی یہ اشکال کرے کہ حدیثِ جرہد حسن ہےلیکن امام بخاری کی شرط پرنہیں تھی توامام بخاریؒ کااستدلال حسن سے ہے نہ کہ ضعیف سے۔تو ادباً عرض ہے کہ امام بخاریؒ کی کتاب" الأدب المفرد " میں تقریباً ۲۰۰ سے زیادہ ضعیف احادیث ہیں۔لیکن ان کاتعلق آداب ،اخلاق اورفضائل سے ہے۔اورامام بخاریؒ فضائل میں ضعیف احادیث سے استدلال کے قائل ہیں۔چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی"الجامع الصحيح " میں فضائل میں ضعیف راوی کی روایت سے استدلال کیاہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حدثنا عبد العزيز بن عبد الله الأويسي قال حدثني إبراهيم بن سعد

عن ابن شهاب أن عطاء بن يزيد أخبره أن حمران مولى عثمان أخبره أنه رأى عثمان بن عفان دعا بإناء فأفرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلهما ثم أدخل يمينه في الإناء ...الخ . (رواه البخاری : ۱/۲۷، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً).

اس روایت کی سند میں حمران مولی عثمان ضعیف راوی ہے محدثین نے اس پر بہت کلام کیا ہے۔اگر چہ بعض حضرات نے ثقہ بھی کہا ہے۔امام بخاریؒ نے ان سے وضو کی فضیلت میں حدیث لی ہے۔ قال الدکتور بشار عواد : ومعلوم أن الإمام البخاری یترخص فی الروایة عمن في حدیثه ضعف في غیر الأحکام کالمغازی والشمائل والتفسیر والرقاق کما بینه الذهبي فی الموقظة . (تحریرتقریب التهذیب: ۱/۱۰۴).

اورحمران بن ابان کے بارے میں لکھا ہے: وقال ابن سعد لم أرهم یحتجون بحدیثه وأورده البخاری فی الضعفاء ، قلت: ویظهر من جماع ترجمته أن الرجل لم یکن أمیناً الأمانة التي تودی إلی توثیقه توثیقاً مطلقاً. (تحریرتقریب التهذیب: ۱/۳۲۱، وکذا في حاشیة تهذیب الکمال : ۷/۳۰۴).

حدیث ”من عادیٰ لي ولیاً فقد آذنته بالحرب...“ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو باب التواضع (رقم ۶۵۰۲) میں ذکر فرمایا ہے اوراس کی سند میں خالد بن مخلد راوی ہیں ائمہ حدیث نے ان پر سخت کلام کیا ہے۔تفصیل کے لیے درج ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں: (میزان الاعتدال:۲/۱۶۳/۲۴۶۳، وتحریرتقریب التہذیب:۱/۳۵۲، وسیراعلام النبلاء مع الحاشیۃ:۱۰/ ۲۱۸و۱۸/ ۶۱۱، وحاشیۃ تہذیب الکمال للدکتور بشارعواد:۸/ ۱۶۶)، نیز دوسرے راوی شریک بن عبداللہ پر بھی کلام ہے، بخاری میں حدیث معراج عجیب وغریب طریقے پرروایت کرتے ہیں۔ قال الشیخ بشار : فیه مقال وهوراوي حدیث المعراج الذي زاد فیه ونقص وقدم وأخر، وتفرد بأشیاء لم یتابع علیها.

(حاشیة سیر اعلام النبلاء:۸ ۱: ۱ ۲۱)۔ خالد بن مخلد کی صحیح بخاری میں تقریباً ۳۰ روایات ہیں،اکثر فضائل میں ہیں۔

حدیث " **کن فی الدنیا کأنک غریب** " امام بخاریؒ نے اس کو کتاب الرقاق (رقم:٦٤١٦) میں ذکر فرمایا اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی موجود ہیں، ان کو ابوزرعہ نے منکر الحدیث کہا ہے، (**تهذيب الكمال: ٢٥/ ٦٥٤**) حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری ص ٦١٥ پر تحریر فرمایا ہے: **وهذا انفرد به الطفاوی وهو من غرائب الصحيح وكان البخاری لم يشدد فيه لكونه من أحاديث الترغيب والترهيب .**

صحیح بخاری کتاب الجہاد میں امام بخاریؒ نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے: **كان للنبي صلى الله عليه وسلم في حائطنا فرس يقال له اللحيف**" (رقم: ٢٨٥٥) اس کی سند میں ابی بن عباس بن سہل ہیں، جن کو امام احمد، نسائی، یحیٰ بن معین اور خود امام بخاری نے ضعیف کہا ہے پھر بھی ان سے روایت لی اس لیے کہ یہ حدیث احادیثِ احکام میں سے نہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ (تہذیب التہذیب:١/ ١٦٨).

اسی طرح امام بخاریؒ کی یہ حدیث " **عن مصعب بن سعد قال: رأى سعد أن له فضلاً على من دونه فقال النبی صلى الله عليه وسلم: هل تنصرون وترزقون إلا بضعفاء كم ، الخ** ". (رقم:٢٨٩٦) اس کی سند میں محمد بن طلحہ عن طلحہ موجود ہے ان کو امام نسائی، یحیی بن معین وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، لیکن چونکہ اس حدیث کا تعلق فضائل اعمال سے ہے اس لیے قابل تسامح ہے۔ (مقدمہ،٦١٣).

اسی طرح امام بخاریؒ نے باب الاستسقاء (١/ ١٣٧) میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار سے روایت بیان کی ہے جب کہ عبدالرحمٰن پر بھی کلام ہے۔

قال عباس الدوری عن يحى بن معين في حديثه عندي ضعف. وقال أبو حاتم: فيه لين يكتب حديثه ولايحتج به. وقال: أبو أحمد بن

عدي : وبعض ما يرويه منكر لايتابع عليه وهو في جملة من يكتب حديثه من الضعفاء. (تهذيب الكمال:۱۷/۲۰۹).

اگر چہ شراحِ حدیث نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ عبدالرحمٰن کا متابع عمر بن حمزہ بعد میں موجود ہے اس وجہ سے یہ روایت صحیح کی قسم میں شامل ہوجاتی ہے۔ لیکن علامہ عینیؒ نے اس کو محل نظر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فإن قلت: عمر بن حمزة هذا متكلم فيه وكذلك عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار مختلف في الاحتجاج به... فكيف أوردهما البخاری في صحيحه ؟ قلت: أجيب بأن إحدى الطريقين اعتضدت بالأخرى وهو من أمثلة أحد قسمي الصحيح كما تقرر في موضعه وفيه نظر لا يخفى . (عمدة القاری:۵/۲۵۴،ط: دارالحديث ملتان،و فتح الباری : ۲/ ۴۹۷، دارالمعرفة).

مولانا عبداللہ معروفی استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند نے بھی اصولِ حدیث پر تحریر شدہ اپنی کتاب ''حدیث اورفہم حدیث'' میں یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ امام بخاریؒ نے فضائل اعمال میں بعض متکلم فیہ راویوں سے بعض احادیث لی ہیں۔

ملاحظہ ہو: (حدیث اورفہم حدیث، ص۴۳۵ تا ۴۳۷، مکتبہ عثمانیہ)۔

(۱۱) امام احمد بن شعیب النسائیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

امام محمد بن اسحاق بن محمد بن مندہ شروط الائمہ میں امام نسائیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں؛ امام نسائیؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہر اس راوی سے روایت لیتے ہیں جس کے ترک پر اجماع نہ ہو۔ **كان من مذهب النسائی أن يخرج عن كل من لم**

یجمع علی ترکه . (فضل الاخیار و شرح مذاهب اهل الآثار و حقیقة السنن، ص ۷۳، ط: الریاض). چنانچہ سنن نسائی مجتبیٰ، سنن نسائی کبریٰ، وغیرہ کتب میں کثیر تعداد میں ضعیف روایتیں ہیں، جن سے احکام میں استدلال فرمایا ہے۔ اور عمل الیوم واللیلہ میں خود امام نسائیؒ نے رواۃ پر کلام کیا ہے۔

(۱۲) امام ابوداودؒ اور حدیثِ ضعیف کی حجیت:

۱۔ غسل جنابت کے تحت ضعیف روایت سے استدلال فرمایا ہے؛ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن تحت كل شعرة جنابة فاغسلوا الشعر و انقوا البشر. قال ابو داود : الحارث بن وجيه حديثه منكر و هو ضعيف. (سنن أبي داود، رقم: ۲۴۸، باب الغسل من الجنابة).

۲۔ سمکِ طافی کا کھانا جائز نہیں ہے اور روایت ضعیف ہے: عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما ألقى البحر أو جزر عنه فكلوه و ما مات فيه وطفا فلا تأكلوه. قال أبو داود: روى هذا الحديث سفيان الثورى و أيوب و حماد عن أبي الزبير أوقفوه على جابر وقد أسند هذا الحديث أيضاً من وجه ضعيف... الخ. (سنن ابی داود، رقم: ۳۸۱۷، باب فی اکل الطافی من السمک).

قال محمد بن إسحاق بن محمد بن منده في شروط الائمة (ص ۷۳) : و كان أبو داود السجستاني كذلك يأخذ مأخذه [النسائی] ويخرج الإسناد الضعيف لأنه أقوى عنده من رأى الرجال .

یعنی ابن مندہ نے فرمایا: امام ابوداودؒ کا طریقہ بھی یہی ہے کہ جب کسی باب میں

ضعیف روایت کے علاوہ کوئی روایت نہ ہوتو ضعیف روایت لیتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں، اس لئے کہ ضعیف روایت ان کے نزدیک لوگوں کی رائے سے قوی ہے۔

قال الإمام أبو داود في رسالته لأهل مكة : قد يوجد المرسل والمدلس عند عدم وجود الصحاح : وإن من الأحاديث فی كتابي "السنن" ما ليس بمتصل و هو مرسل و مدلس و هو إذا لم توجد الصحاح عند عامة أهل الحديث على معنى أنه متصل وهو مثل الحسن عن جابر و الحسن عن أبي هريرة ﷺ و الحكم عن مقسم عن ابن عباس ﷺ ليس بمتصل . (رسالة ابی داود الی اهل مكة وغيرهم فی وصف سننه، ص ۳۰، ط: دار العربية).

مذکورہ بالاعبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابوداودؒ نے حدیث منقطع کو قابل عمل قرار دیا جب اس باب میں کوئی صحیح حدیث موجود نہ ہواور منقطع ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جب صرف مرسل حدیث ہواور مسند نہ ہوتو مرسل قابل احتجاج ہے لیکن قوت میں مسند سے کم ہے۔

قال: فإذا لم يكن غير المراسيل ولم يوجد المسند فالمرسل يحتج به و ليس هو مثل المتصل فی القوة . (رسالة ابی داود، ص ۲۵، ط: بیروت).

امام ابوداودؒ نے اپنی سنن احکام اور مسائل میں مرتب فرمائی ہے، فضائل اور زہد وغیرہ میں مرتب نہیں فرمائی، اس کے باوجود احادیثِ ضعاف سے استدلال فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں: **وإنما لم أصنف في كتاب السنن إلا الأحكام ولم أصنف كتب الزهد وفضائل الأعمال وغيرها، فهذه**

الأربعة آلاف والثمانمائة كلها في الأحكام فأما أحاديث كثيرة في الزهد والفضائل وغيرها من غير هذا لم أخرجه . (رسالة ابی داود، ص ۳۴، ۳۵، ط: بیروت).

(۱۳)امام ترمذیؒ اورحدیثِ ضعیف کی حجیت:

سنن ترمذی شریف میں سینکڑوں مثالیں ایسی ہیں کہ حدیث ضعیف کے بارے میں امام ترمذیؒ نے فرمایا: اہل علم کا عمل اسی حدیث کے موافق ہے، پھر بعض مرتبہ وہ حدیث احکام میں بھی معمول بہ ہے اور اکثر فضائل میں ہوتی ہے۔چند مثالیں بطورِ مشتے نمونہ ازخروارے' ملاحظہ کیجیے:

۱۔ باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين؛ حدثنا أبوسلمة يحيى بن خلف البصرى، قال: حدثنا المعتمر بن سليمان، عن أبيه، عن حنش (ضعيف)، عن عكرمة ، عن ابن عباس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد أتى باباً من أبواب الكبائر. وحنش هذا هو أبوعلى الرحبى، وهوحسين بن قيس، وهو ضعيف عند أهل الحديث، ضعفه أحمد وغيره. والعمل على هذا عند أهل العلم . (سنن الترمذی،رقم:۱۸۸).

فقہاء کے یہاں بلاعذر دونمازوں کوجمع کرکے پڑھنا مکروہِ تحریمی اورگناہِ کبیرہ ہے، یہ حکمِ شریعت ہے جوحدیثِ ضعیف سے ثابت ہوا۔اگرچہ یہ حکم دوسری نصوص سے بھی ثابت ہے جیسے: ﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون﴾.[الماعون:۵]

۲۔ فقہاء نے لکھاہے کہ مستحب یہ ہے کہ جواذان دے اقامت بھی اسی کا حق

ہے، اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کا اقامت کہنا مکروہ ہے۔ اور حدیث ضعیف ہے۔
ملاحظہ ہو امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: باب ما جاء أن من أذن فهو يقيم ؛ حدثنا هناد حدثنا عبدة و يعلى عن عبد الرحمن بن زياد بن أنعم الإفريقي (ضعيف) عن زياد بن نعيم الحضرمی عن زياد بن الحارث الصدائی رضی اللہ عنہ قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن في صلاة الفجر فأذنت فأراد بلال أن يقيم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء قد أذن ومن أذن فهو يقيم، قال أبوعيسىٰ: وحديث زياد إنما نعرفه من حديث الإفريقي و الإفريقي هو ضعيف عند أهل الحديث ضعفه يحيى بن سعيد القطان وغيره...والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم . (سنن الترمذی ،رقم: ۱۹۹).

۳۔ بوقتِ خطبہ امام کی طرف متوجہ ہونا مستحب ہے۔ صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ حدیث ضعیف ہے؛ ملاحظہ ہو:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا استوى على المنبر استقبلناه بوجوهنا... ومحمد بن الفضل بن عطية ذاهب الحديث عند أصحابنا، والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم يستحبون استقبال الإمام إذا خطب وهو قول سفيان الثوری و الشافعی وأحمد وإسحاق، ولا يصح في هذا الباب عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء.
(سنن الترمذی ،رقم: ۵۰۹،باب استقبال الامام اذا خطب).

۴۔ دوسجدوں کے درمیان میں اقعاء مکروہ ہے، اورحدیث اس بارے میں ضعیف ہے: عن عليؓ قال: قال لي رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یا علي أحب لک ما أحب لنفسي وأکرہ لک ما أکرہ لنفسي لا تقع بین السجدتین . ھذا حدیث لا نعرفہ من حدیث علی إلا من حدیث أبی إسحاق عن الحارث عن علی وقد ضعف بعض أھل العلم الحارث الأعور، والعمل علی ھذا الحدیث عند أکثر أھل العلم یکرھون الإقعاء. (سنن الترمذی،رقم: ۲۸۲،باب کراھیۃ الاقعاء فی السجود).

۵۔ رکوع ،سجدہ میں تین مرتبہ تسبیح سنت ہے اس سے کم نہیں کرنا چاہیے ،اور حدیث ضعیف ہے؛ ملاحظہ ہو: عن ابن مسعودؓ أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إذا رکع أحدکم فقال في رکوعہ: سبحان ربی العظیم ثلاث مرات فقد تم رکوعہ وذلک أدناہ وإذا سجد فقال في سجودہ: سبحان ربی الأعلیٰ، ثلاث مرات فقد تم سجودہ وذلک أدناہ ، قال أبوعیسی: حدیث ابن مسعودؓ لیس إسنادہ بمتصل عون بن عبد اللّٰہ بن عتبۃ لم یلق ابن مسعودؓ والعمل علی ھذا عند أھل العلم یستحبون أن لا ینقص الرجل فی الرکوع والسجود من ثلاث تسبیحات . وروی عن عبد اللّٰہ بن المبارک أنہ یستحب للإمام أن یسبح خمس تسبیحات لکي یدرک من خلفہ ثلاث تسبیحات . (سنن الترمذی ، رقم: ۲۶۱).

۶۔باندی کی عدت دوحیض ہے،ضعیف حدیث سے ثابت ہے؛ عن عائشۃؓ

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: طلاق الأمة تطليقتان وعدتها حيضتان....والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم وهوقول سفيان الثوری والشافعي وأحمد وإسحاق . (سنن الترمذی ، رقم: ۱۱۸۲).

۷۔معتوہ یعنی مجنون کی طلاق واقع نہ ہونے کے بارے میں حدیث ضعیف ہے اورعمل اسی کے مطابق ہے؛ عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل طلاق جائز؛ إلا طلاق المعتوه المغلوب على عقله...وعطاء بن عجلان ضعيف الحديث ذاهب الحديث، والعمل على هذا عند أهل العلم . (سنن الترمذی ، رقم: ۱۱۹۱).

۸۔ مجلس نکاح مسجد میں منعقد کرنا مستحب ہےاورحدیث ضعیف ہے؛ عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف...وعيسى بن ميمون الأنصاري يضعف في الحديث. (سنن الترمذی: ۱/۲۰۷،ط: فیصل)، وينظر للمزيد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا(۶۸۹/۴)۔

امام ترمذیؒ نے اس بات کا التزام کیاہے کہ وہ اپنی کتاب میں صرف اسی حدیث کا اخراج فرمائیں گے جس پرکسی فقیہ نے عمل کیاہو یاجس سے کسی استدلال کرنے والے نے استدلال کیاہو،چنانچہ کتاب العلل جوجامع ترمذی کے آخرمیں ملحق ہےاس میں امام فرماتے ہیں: میری اس کتاب میں جوبھی احادیث ہیں ان پرکسی نہ کسی فقیہ کاعمل ہے سوائے دوحدیثوں کے،ایک تووہ حدیث جس میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے بغیر کسی سفر اور عذر کے جمع بین الصلا تین فرمایا، دوسری وہ حدیث جس میں شاربِ خمر کو چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ (حدیث اور فہم حدیث، ص۲۰۰)۔

(۱۴) امام ابن ماجہؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

سنن ابن ماجہ شریف کی چند ضعیف احادیث جن پر عمل درآمد ہے؛

۱۔ بلاعذر کھڑے کھڑے پیشاب کرنا مکروہ ہے، اور روایت ضعیف ہے؛ **عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يبول قائماً. وفي الزوائد: عدى بن الفضل؛ اتفقوا على ضعفه.** (سنن ابن ماجه، رقم: ۳۰۹).

۲۔ منبر پر خطیب کا سلام کرنا، اکثر علماء کے نزدیک مستحب ہے، بعض علمائے احناف کے ہاں بھی درست ہے، ابن ماجہ شریف کی ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے؛ **عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا صعد المنبر سلم. وفي الزوائد: في إسناده ابن لهيعة وهو ضعيف.** (سنن ابن ماجه، رقم: ۱۱۰۹). آج کل سلفیوں کے یہاں یہ حدیث متواتر کے درجہ میں ہے۔ شیخ البانی نے تمام المنہ، اور السلسلۃ الصحیحہ میں اس کے شواہد بیان کیے ہیں۔

۳۔ جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت والی روایت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعاً، لايفصل في شيء منهما. في الزوائد: إسناده مسلسل بالضعفاء.** (سنن ابن ماجه، رقم: ۱۱۲۹).

لیکن اس روایت کی ایک سند کو محدثین نے صحیح کہا ہے: **عن أبي إسحاق عن**

عاصم عن علي رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يصلي قبل الجمعة أربعاً و بعدها أربعاً، رواه الحافظ أبوالحسن الخلعي في فوائده وهكذا قال أبوزرعة في "شرح التقريب" (۴۲/۳). (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ۳/۴۷/۱۰۰۱).

۴۔اوابین کی نماز مستحب ہےاورحدیث ضعیف ہے؛ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتى عشرة سنة . (سنن ابن ماجه ، رقم: ۱۱٦۷).

۵۔ عیدین میں غسل سنت ہےاورابن ماجہ کی حدیث ضعیف ہے؛ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يغتسل يوم الفطر ويوم الأضحى، فى الزوائد: هذا إسناد فيه جبارة وهوضعيف، وحجاج بن تميم ضعيف أيضاً. (سنن ابن ماجه ، رقم: ۱۳۱۵)

٦۔ نمازِ چاشت مستحب ہے،اور بارہ رکعت والی حدیث ضعیف ہے: عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من صلى الضحى ثنتى عشرة ركعة بنى اللّٰه له قصراً من ذهب فى الجنة . (سنن ابن ماجه،رقم: ۱۳۸۰). إسناده ضعيف لجهالة موسى بن انس.

دوسری حدیث میں ہے: عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حافظ على شفعة الضحى غفرت له ذنوبه وإن كانت مثل زبد البحر. (سنن ابن ماجه،۱۳۸۲). إسناده ضعيف لضعف

النهاس بن قهم . راجع : التعليقات على مسند الامام احمد للشيخ شعيب ،رقم:١٦٧٩٤).

۷۔ نمازِ حاجت کے بارے میں روایت ضعیف ہے؛ عن عبد اللّٰه بن أبی أوفى الأسلمی قال: خرج علینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: من كانت له حاجة إلى اللّٰه أو أحد من خلقه فليتوضأ وليصل ركعتين، ثم ليقل: لا إله إلا اللّٰه الحليم الكريم... الخ. (سنن ابن ماجه،۱۳۸۴).

۸۔ پندرہ شعبان کا روزہ مستحب ہے اور روایت ضعیف ہے؛ عن علی بن أبي طالب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها... الخ. (سنن ابن ماجه، رقم:۱۳۸۸).

۹۔ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار نماز کی فضیلت والی روایت ضعیف ہے؛ عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: صلاة الرجل في بيته بصلاة و صلاته في مسجد القبائل بخمس و عشرين صلاة و صلاته فی المسجد الذی يجمع فيه بخمس مائة صلاة وصلاته فی المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة ، وصلاته فی مسجدي بخمسين ألف صلاة...وفی الزوائد: إسناده ضعيف. (سنن ابن ماجه ،۱۴۱۳).

۱۰۔ عرفات کے لیے غسل مسنون ہے اور حدیث ضعیف ہے؛ عن عبد الرحمن بن عقبة بن الفاكه بن سعد، عن جده الفاكه بن سعد، وكانت له صحبة، أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم كان يغتسل يوم الفطر و

يوم النحر ويوم عرفة. وكان الفاكه يأمر أهله بالغسل في هذه الأيام.
قال الشيخ شعيب: إسناده تالف، يوسف بن خالد وهو ابن عمير السمتي، ضعيف جداً...الخ. (سنن ابن ماجه مع تعليقات الشيخ شعيب الارنؤوط: ۲/۳۴۷، ط: دار الرسالة العالمية).

وينظر: مصباح الزجاجة (۱/۱۵۶، ط: بيروت).

۱۱۔ وضو میں تسمیہ سنت ہے اور حدیث ضعیف ہے: عن ربيح بن عبد الرحمن بن أبي سعيد، عن أبيه عن أبي سعيد، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه. قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف، لضعف ربيح بن عبد الرحمن وكثير بن زيد ...الخ. (سنن ابن ماجه مع تعليقات الشيخ شعيب الارنؤوط: ۱/۲۵۶). وينظر: مصباح الزجاجة (۱/۵۹).

۱۲۔ عیدین کی تکبیرات (عند الشافعیہ) کی حدیث ضعیف ہے: عن عبد الرحمن بن سعد بن عمار بن سعد مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثني أبي عن أبيه عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكبر فى العيدين فى الأولى سبعاً قبل القراءة وفى الآخرة خمساً قبل القراءة. قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف لضعف عبدالرحمن بن سعد، و جهالة أبيه...ويغني عنه الحديث الذى بعده. (سنن ابن ماجه مع تعليقات الشيخ: ۲/۳۲۶).
البتہ شیخ شعیب الارنووطؒ صاحب نے بعد والی چند روایتوں کو حسن لغیرہ فرمایا ہے۔

۱۳۔ وضوعلی الوضوکوفقہاء مستحب لکھتے ہیں اور حدیث ضعیف ہے؛عن أبي غطيف الهذلي قال: سمعت عبد اللّٰہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ في مجلسه في المسجد ، فلما حضرت الصلاة قام فتوضأ وصلى، ثم عاد إلى مجلسه، فلما حضرت العصر قام فتوضأ وصلى، ثم عاد إلى مجلسه فلما حضرت المغرب قام فتوضأ وصلى، ثم عاد إلى مجلسه، فقلت: أصلحك اللّٰہ ، أفريضة أم سنة ، الوضوء عند كل صلاة ، أو فطنت إلي، وإلى هذا مني ؟ فقلت: نعم، فقال: لا لو توضأت لصلاة الصبح ، لصليت به الصلوات كلها، مالم أحدث ولكني سمعت رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم يقول: من توضأ على كل طهر، فله عشر حسنات، وإنما رغبت في الحسنات .

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف لضعف عبد الرحمن بن زياد الإفريقي، وجهالة أبي غطيف. (سنن ابن ماجه مع تعليقات الشيخ شعيب : ۱/ ۳۲۱).

۱۴۔ نفاس کی اکثر مدت چالیس دین ہے اور حدیث ضعیف ہے؛عن أنس رضی اللہ عنہ قال: كان رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم وقت للنفساء أربعين يوماً إلا أن ترى الطهر قبل ذلك . (سنن ابن ماجه ،رقم: ۶۴۹)، قال الدارقطني: لم يروه عن حميد غير سلام هذا ، وهوضعيف . (نصب الراية ۱/ ۲۰۵)، ہاں مسند احمد وغیرہ کی روایت کو شیخ شعیب الارنؤوطؒ نے حسن لغیرہ فرمایا ہے۔ راجع: (تعلیقات الشیخ شعیب علی مسند احمد:۱۲۵۶۱).

اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری روایاتِ ضعیفہ ہیں جن پر عمل درآمد ہے۔ بلکہ شیخ محمد عوامہ نے تحریر فرمایا ہے کہ محدثین کا عام معمول یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کوئی صحیح روایت نہ ہو تو ضعیف پر عمل کرتے ہیں؛ **قال وهذا هو المذهب الشائع عنه: أن الضعيف يعمل به إذا لم يوجد في الباب غيره، بل هذا مذهب عامة أهل الحديث، كما ترى.** (حكم العمل بالحديث الضعيف، ص ۴۳).

ائمہ اربعہ کے نزدیک ضعیف حدیث کی حجیت:

ائمہ اربعہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں؛ احکام اور فضائل دونوں میں، جبکہ اس باب میں اس کے علاوہ کوئی روایت نہ ہو بلکہ اقوالِ صحابہ پر بھی عمل کرتے ہیں۔

(۱۵) امام ابوحنیفہ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

حدثنا ابن المبارك قال: سمعت أبا حنيفةؒ يقول: إذا جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم فعلى الرأس والعين، وإذا جاء عن الصحابة نختار من قولهم، وإذا جاء عن التابعين زاحمناهم. (مسند أبي حنيفة من رواية ابي نعيم: ۱/۲۲، مكتبة الكوثر).

وأخرج ابن أبي العوام بسنده إلى أبي يوسفؒ قال: كان أبو حنيفةؒ إذا وردت عليه المسألة قال: ما عندكم فيها من الآثار؟ فإذا روينا الآثار وذكرنا وذكر هو ما عنده نظر، فإن كانت الآثار في أحد القولين أكثر، أخذ بالأكثر، فإذا تقاربت وتكافأت نظر فاختار. (تانيب الخطيب، ص ۸۶).

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

أصحاب أبي حنيفةؒ مجمعون على أن مذهب أبي حنيفةؒ أن ضعيف الحديث عنده أولىٰ من القياس والرأي وعلى هذا بنى مذهبه كما قدم حديث القهقهة مع ضعفه على القياس والرأي، وحديث الوضوء بنبيذ التمر فى السفر مع ضعفه على الرأي والقياس، ومنع قطع السارق بسرقة أقل من عشرة دراهم والحديث فيه ضعيف، و جعل أكثر الحيض عشرة أيام و الحديث فيه ضعيف ، و شرط في إقامة الجمعة المصر والحديث فيه كذلک ، و ترک القياس المحض في مسائل الآبار لآثار فيها غير مرفوعة فتقديم الحديث الضعيف وآثار الصحابة على القياس و الرأي قوله (الإمام أبوحنيفةؒ) و قول الإمام أحمد . (اعلام الموقعين: ۱/۶۴).

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

جميع الحنفية مجمعون على أن مذهب أبي حنيفةؒ أن ضعيف الحديث عنده أولىٰ من الرأي فتأمل هذا الامتناع بالأحاديث وعظيم جلالتها و موقعها عنده . كذا فى الخيرات الحسان .

وقال العلامة المحدث علي القاريؒ فى المرقاة: إن مذهبهم القوى تقديم الحديث الضعيف على القياس المجرد الذى يحتمل التزييف . (قواعد فى علوم الحديث ص۹۶).

وعلى هامشه قال الشيخ عبد الفتاح أبوغدهؒ :

وقال ابن حزم أيضاً في كتابه " الإحكام في أصول الأحكام"

(٥٤/٧): قال أبوحنيفةؒ: الخبر الضعيف عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أولى من القياس ولا يحل القياس مع وجوده .

قال الشيخ عبد الفتاحؒ: بل اختلف ساداتنا الحنفية فيما إذا تعارض قول الصحابي والقياس فأيهما يقدم ؟

قال فخر الإسلام البزدويؒ: أقوال الصحابة مقدمة على القياس، سواء كان فيما يدرك بالقياس أولا، وفي هذا إبطال دعوى المتقولين على الحنفية . (حاشية قواعد فی علوم الحدیث ص ٩٦).

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن قیمؒ نے فرمایا: احناف کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث قیاس اور رائے سے اولیٰ اور بہتر ہے۔

اور مذہب احناف کی بنیاد اسی پر ہے۔ نیز علامہ ابن حزمؒ نے بھی یہی فرمایا کہ ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے احناف کے نزدیک قیاس کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں۔

اور ابن قیمؒ نے فرمایا: آثارِ صحابہ بھی قیاس اور رائے پر مقدم ہیں یہ حنفیہ اور امام احمد کا قول ہے، نیز شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے فخر الاسلام بزدویؒ کا قول نقل فرمایا کہ اقوالِ صحابہ بھی قیاس پر مقدم ہیں چاہے مدرک بالقیاس ہوں یا نہ ہوں۔

مذہبِ احناف میں قیاس کے مقابلہ میں حدیثِ ضعیف پر عمل درآمد ہونے کی چند مثالیں علامہ ابن قیمؒ نے ذکر فرمائی ہیں:

(۱) قہقہہ والی حدیث۔

(۲) نبیذ تمر سے وضو کی حدیث۔

(۳) ۱۰ درہم میں قطعِ سارق والی حدیث۔

(۴) حیض کی اکثر مدت والی حدیث۔

(۵) اقامتِ جمعہ میں مصر کی شرط والی حدیث۔ (یاد رہے کہ اس کی ایک سند ضعیف ہے اور دوسری سند قوی ہے)۔

(٦) کنویں کے مسائل میں قیاس ترک کیا اور آثار صحابہ پر عمل کیا۔

یہ قوی مذہب ہونے کی علامت ہے اور اسمیں احناف پر اشکالات کرنے والوں کا حل بھی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے مرقات میں فرمایا: احناف کا مذہبِ قوی یہ ہے کہ ضعیف حدیث کو اس قیاس پر مقدم کیا جائیگا جس میں غلطی کا احتمال ہے۔

مزید چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(۷) باوضو اذان دینا مستحب ہے، اور حدیث ضعیف ہے: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يا ابن عباس، إن الأذان متصل بالصلاة، فلا يؤذن أحدكم إلا وهو طاهر. وعبد اللّٰه [بن هارون الفروی] هذا قال ابن عدی: له مناكير. (البدر المنير: ۳/ ۳۹۱).

(۸) سجدہ میں انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنت ہے، اور حدیث ضعیف ہے۔ عن عائشةؓ قالت: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سجد استقبل بأصابعه القبلة. (سنن الدارقطنی: ۲/ ۱۴۸) قال الحافظ فی التلخيص (۱/ ۶۲۰/ ۳۸۵) وفيه حارثة بن أبی الرجال وهو ضعيف.

(۹) خواتین کے لیے سمٹ کر سجدہ کرنا سنت ہے اور حدیث ضعیف ہے؛ روی

أبـوداود فـى المراسيل عن يزيد بن أبي حبيب أنه صلى الله عليه وسلم مـرعـلـى امـرأتيـن تـصـليان فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض أن المرأة في ذلک ليست كالرجل، ورواه البيهقي من طريقين موصولين لكن في كل منهما متروک . (التلخيص الحبير: ١/١٩٥٩/٣٦٢).

(۱۰) مطاف میں مصلی کے لیے سترہ کی ضرورت نہیں، اور حدیث ضعیف ہے؛ عـن الـحسن بن علی رضی اللہ عنہ أن رسـول الـلّـه صـلـى الـلّه عليه وسلم صلى والـرجـال والنساء يطوفون بين يديه بغيرسترة مما يلى الحجر الأسود. رواه الـطبـرانـي فـى الـكبير وفيه ياسين الزيات، وهو متروک. (مجمع الزوائد: ۲/۲۳).

(۱۱) نماز میں انگلیاں چٹخانہ مکروہ ہے، اور حدیث ضعیف ہے؛ عـن عـلي رضی اللہ عنہ أن رسـول الـلّـه صلى الله عليه وسلم قال: لا تفقع أصابعک وأنت فى الصلاة . (سنن ابن ماجه، رقم: ٩٦٥) قال فى الزوائد: فى السند: الحارث الأعور وهوضعيف.

(۱۶) امام مالکؒ اور حدیثِ ضعیف کی حجیت:

يـدل على ذلک تقديمه الحديث المرسل والمنقطع والبلاغات وقـول الـصـحـابي على القياس. (راجـع : اعـلام الموقعين : ١/٣٣) ، وكتـابه الـمـوطـا أكبر شاهد على ذلک، فهو مشتمل على كثير من الأحاديث المرسلة والمنقطعة .

قـال ابن عبدالبر: وأصل مذهب مالکؒ والذى عليه جماعة من

المالكيين أن مرسل الثقة تجب به الحجة ، ويلزم به العمل، كما يجب بالمسند سواء ، [ومعلوم أن المرسل من أقسام الحديث الضعيف] وقال ابن العربي: تحقيق مذهب مالکؒ أنه لا تقبل إلا مراسيل أهل المدينة .
(عارضہ الاحوذی شرح سنن الترمذی: ۱/۲۴۶).

(۱۷)امام شافعیؒ اور حدیثِ ضعیف کی حجیت:

امام شافعیؒ نے مراسیل کو چند شرائط کے ساتھ قبول کیا ہے، تفصیل کے لیے ''الرسالة ''ملاحظہ کیا جا سکتا ہے،اور احادیثِ ضعیفہ کو قیاس پر مقدم کیا ہے؛ مثلاً: تقديمه خبر تحريم صَيْدِ وَجٍّ مع ضعفه على القياس. وقدم خبر جواز الصلاة بمكة في وقت النهى مع ضعفه ، و مخالفته لقياس غيرها من البلاد. وقدم في أحد قوليه:حديث: من قاء أو رعف فليتوضأ وليبن على صلاته ، على القياس مع ضعف الخبر وإرساله . تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اعلام الموقعین : ۱/۳۲).

(۱۸)امام احمد بن حنبلؒ اور حدیثِ ضعیف کی حجیت:

امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا: ضعیف حدیث مجھے زیادہ محبوب ہے لوگوں کی رائے سے، اس لئے کہ قیاس کی طرف رجوع اس وقت ہے جب کہ نص موجود نہ ہو۔ قال فی تدريب الراوي: وهذا أيضا رأى الإمام أحمد، فإنه قال: إن ضعيف الحديث أحب إلى من رأى الرجال، لأنه لا يعدل إلى القياس إلا بعد عدم النص. (تدریب الراوی: ۱/۱۶۷،ط: آرام باغ کراچی).

قال ابن القيمؒ: الأصل الرابع الأخذ بالمرسل والحديث الضعيف إذا لم يكن فى الباب شيء يدفعه وهو الذى رجحه على القياس. (اعلام الموقعين: ۱/۳۱).

وفيه أيضاً: فإذا لم يكن عند الإمام أحمد فى المسألة نص ولا قول الصحابة أو واحد منهم ولا أثر مرسل أو ضعيف عدل إلى الأصل الخامس و هو القياس . (اعلام الموقعين: ۱/۳۲).

قال عبد اللّٰه بن أحمد: سمعت أبي يقول: الحديث أحب إلى من الرأى . (طبقات الحنابلة : ۱/۱۸۰، و اعلام الموقعين: ۱/۶۴).

عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ ضعیف حدیث مجھے رائے سے زیادہ پسند ہے۔

وقال الأثرم : رأيت أبا عبد اللّٰه إن كان الحديث عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى إسناده شيء يأخذ به، إذا لم يجئ خلافه أثبت منه، مثل حديث عمرو بن شعيب ، إبراهيم الهجرى ، وربما أخذ بالمرسل إذا لم يجئ .

وفى الآداب الشرعية نقلاً عن الخلال: وإذا ضعف إسناد الحديث عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولم يكن له معارض قال به، فهذا مذهبه يعنى الإمام أحمد. وقال الخلال أيضاً فى الجامع فى حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ في كفارة وطء الحائض قال كأنه يعنى الإمام أحمد: أحب أن لا يترك الحديث وإن كان مضطرباً؛ لأن مذهبه فى

الأحاديث إذا كانت مضطربة ، ولم يكن لها مخالف قال بها. وقال القاضی أبویعلی فی التعلیق فی حدیث مظاهر بن أسلم: فی أن عدة الأمة قرء ان، مجرد طعن أصحاب الحدیث لایقبل حتی یبینوا جهته مع أن أحمد یقبل الحدیث الضعیف. (الآداب الشرعیة لابن مفلح الحنبلی : ۲/۴۱۳ - ۴۱۴، فصل فی العمل بالحدیث الضعیف).

امام احمد بن حنبلؒ کی عبارت پر ایک اشکال اور جواب:

یہاں پر ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول: "إن ضعيف الحديث أحب إلي من رأي الرجال" کا مطلب ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے یہ بیان فرمایا کہ ضعیف سے مراد متاخرین والی ضعیف نہیں بلکہ متقدمین والی ضعیف مراد ہے یعنی حسن مراد ہے کیونکہ متقدمین میں حدیث کی تقسیم صحیح وضعیف دو تھی پھر امام ترمذیؒ نے حسن کی اصطلاح ایجاد فرمائی۔ ملاحظہ ہو:

وقال الحافظ ابن تيميةؒ: إثبات الحسن اصطلاح الترمذی وغير الترمذی من أهل الحديث ليس عندهم إلا صحيح وضعيف، والضعيف عندهم ما انحط عن درجة الصحيح ، ثم قد يكون متروكاً وهو أن يكون متهما (بالكذب) أو كثير الغلط، وقد يكون حسناً بأن لايتهم بالكذب ، وهذا معنى قول أحمدؒ: و العمل بالضعيف أولى من القياس . انتهى من " إحياء السنن" نقلاً عن " التحفة المرضية ". (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۰۰).

وقال ابن القيم : الحديث الضعيف عنده (الإمام أحمد) قسم

الصحيح وقسم من أقسام الحسن ولم يكن يقسم الحديث إلى صحيح وحسن وضعيف بل إلى صحيح وضعيف . (اعلام الموقعين: ١/ ٢٥).

شیخ محمد عوامہ کی عبارت سے جواب:

شیخ محمد عوامہ نے تفصیل سے ان دونوں حضرات کا جواب دیا ہے مختصراً درج کیا جاتا ہے: قال عبد الفتاح أبوغده في حاشية قواعد في علوم الحديث :

بحث أخي تلميذ الأمس، و زميل اليوم الأستاذ الشيخ محمد عوامه في كلام الإمامين الشيخ ابن القيم والشيخ ابن تيمية رحمهمااللّٰه تعالیٰ المنقول ههنا :

بحثاً جيداً ثم علقه على نسخته من هذا الكتاب فأنا أنقله عنه مشكوراً سعيه لينظر فيه و يستفاد قال وفقه اللّٰه تعالیٰ :

ينبغي أن يجعل الحديث الضعيف في هذا الباب أربعة أقسام :

(١) الضعيف المنجبر الضعف بمتابعة أو شاهد ، وهوما يقال في احد رواته:لين الحديث اوفيه لين......وهوالحديث الملقب بالمشبه اى المشبه بالحسن من وجه وبالضعيف من وجه آخر وهو إلى الحسن أقرب.

(٢) الضعيف المتوسط الضعف، وهوما يقال في راويه:ضعيف الحديث اومردود الحديث اومنكرالحديث......

(٣) الضعيف الشديد الضعف، وهوما فيه متهم ، أو متروك.

(۴) الموضوع .

فالشيخ ابن تيمية وتلميذه ابن القيم رحمهما اللّٰه تعالىٰ يدخلان القسم الاول تحت كلام الامام احمد بناء على انه يشمله اسم الضعيف من جهة ، واسم الحسن لغيره من جهة أخرى، والظاهر واللّٰه أعلم إدخال القسم الثانى في مراد الإمام أحمد .

وادعاء ابن تيميةؒ ان الحديث عند المتقدمين ينقسم الى صحيح و ضعيف فقط ، وأن الحسن أحدثه الترمذى،بل نقل ابن تيميةؒ الإجماع على هذا الادعاء كما في فتح المغيث للسخاوى (ص ٥)

وهذا غير صحيح إذ أن إطلاق (الحسن)على الحديث وعلى الراوى أيضا وارد على لسان عدة من العلماء السابقين للترمذى من طبقة شيوخه وشيوخ شيوخه، بل ورد هذا الاطلاق على لسان الامام احمد نفسه، قال الحافظ ابن حجرفى نكته على مقدمة ابن الصلاح: وأما على بن المدينى فقد اكثرمن وصف الاحاديث بالصحة وبالحسن في مسنده و في علله وظاهرعبارته قصد المعنى الاصطلاحى،وكانه الامام السابق لهذا الاصطلاح وعنه اخذ البخاري ويعقوب بن شيبة وغير واحد وعن البخارى اخذ الترمذي.

وقال ابن الصلاح: ويوجد اى التعبير بالحسن الاصطلاحى في متفرقات من كلام بعض مشايخ الترمذي والطبقة التي قبله،كأحمد بن حنبل والبخارى وغيرهما انتهى.

وممن استعمل كلمة(حسن) واراد بها الحسن الاصطلاحی، وهوسابق للترمذی:

الحافظ محمد بن عبد الله بن نمير،شيخ شيوخ الترمذي......
والحافظ يعقوب بن شيبه السدوسی البصری البغدادي،وهو ايضا سابق للترمذي ومعاصرللبخاري ومسلم......

والامام ابوحاتم الرازي ممن استعمل (الحسن)في وصف الحديث قبل الترمذي......

وقبل ابی حاتم:الامام الشافعیؒ......وابو زرعة الرازی شيخ ابی حاتم و مسلم والترمذي......والنسائی وابن ماجه......

وقد انتقد الامام الكشميري في فيض الباری(۱:۵۷) قول الشيخ ابن تيمية:اثبات الحسن اصطلاح الترمذی،فقال:غيرصحيحة لان البخاري وعلى بن المديني ممن يفرقان بينهما.حتى جاء الترمذي وتبع في ذلک شيخه يعنی البخاری...

فهذه النصوص تنقض دعوى الشيخ ابن تيمية أن الترمذي اصطلح على إيجاد الحديث الحسن وأحدثه دون سابق ذكرله بين الأئمة السابقين له، وإذا صح هذا النقض كان ما بناه عليه منقوضاً أيضاً... وعلى كل حال: فكلام الإمام أحمد يحمل على ظاهره ،وأنه يريد الضعيف المتوسط وما فوقه مما هو إلى الحسن أقرب والله أعلم.

(حاشية قواعد ص ۱۱۰-۱۰۸)

شیخ محمد عوامہ کے جواب کا خلاصہ: حدیث ضعیف چار قسم پر ہونی چاہئے:

(۱) ضعیف جس کی تلافی ہو جائے شواہد و متابعت وغیرہ سے یہ حسن کے قریب تر ہے۔

(۲) ضعیف جس میں درمیانی ضعف ہو۔

(۳) ضعیف جس میں شدید ضعف ہو، یعنی راوی متہم بالکذب یا متروک ہو۔

(۴) موضوع۔

اب شیخ ابن تیمیۃ اور ابن قیم نے امام احمدؒ کے کلام کے تحت صرف پہلی قسم کو داخل کیا یعنی حسن کے قریب تر ہو۔

لیکن امام احمدؒ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد ضعیف متوسط ہے۔ پھر حافظ ابن تیمیہؒ نے دعوی کیا کہ حسن امام ترمذیؒ کی ایجاد کردہ اصطلاح ہے۔ شیخ عوامہ نے واضح دلائل سے اس کو رد فرمایا:

چنانچہ فرماتے ہیں کہ علی بن المدینی، امام بخاری، امام احمد، حافظ محمد بن عبداللہ، حافظ یعقوب بن شیبہ، امام ابو حاتم رازی، امام شافعی اور امام ابوزرعہ رازی، اِن تمام حضرات نے حسن کا لفظ حدیث کے وصف میں استعمال فرمایا اور یہ سب حضرات امام ترمذی سے مقدم ہیں بعض تو امام ترمذی کے شیوخ ہیں اور بعض شیوخ کے بھی شیوخ ہیں، لہذا یہ دعویٰ صحیح نہیں، نیز علامہ کشمیریؒ نے بھی اس دعویٰ کو رد فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: بخاری کی شرح فیض الباری (۱/ ۵۷) نیز تحقیق المقال فی تخریج فضائل الاعمال میں (ص۱۸۴) بھی مذکور ہے۔

جب یہ دعویٰ ٹوٹ گیا تو ہمارا مدعیٰ ثابت ہو گیا کہ امام احمدؒ کے کلام کا مطلب

حدیث ضعیف سے حسن مراد نہیں، بلکہ ضعیف متوسط مراد ہے، جو حسن سے کم درجہ ہو لیکن ضعیفِ شدید مراد نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ بہت سارے ائمہ ومحدثین نے احکام میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کیا ہے، جب کہ اس باب میں کوئی نص نہیں پائی اور قیاس اور رائے پر ترجیح دی۔

تمام علماء کا احکام ومسائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کرنا:

(۱۹) شیخ احمد بن محمد الصدیق الغماری المغربی لکھتے ہیں: أن جميع الأئمة يحتجون بالحديث الضعيف، وإن قولهم: الضعيف لا يعمل به في الأحكام قول ليس على إطلاقه، كما يفهمه جل الناس أو كلهم ؛ لأنك إذا نظرت في أحاديث الأحكام التي أخذ بها الائمة على الاجتماع والانفراد تجد فيها الضعيف ما لعله يبلغ نصفها أو يزيد، وربما وجدت فيها المنكر والساقط القريب من الموضوع. (المثنونی والبتار فی نحر العنید المعثار الطاعن فيما صح من السنن والآثار، ص ۱۸۰).

تمام ائمہ ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور یہ جو مشہور ہے کہ ''احکام میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا'' اپنے عموم واطلاق پر نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں، اس لیے کہ اگر آپ اُن احادیثِ احکام پر غور فرمائیں جن سے ائمہ نے استدلال کیا ہے تو آپ کو مجموعی طور سے ضعیف حدیثوں کی مقدار نصف یا اس سے بھی زائد ملے گی، ان میں ایک تعداد منکر، ساقط، اور قریب بہ موضوع کی بھی ملے گی۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: تمام ائمہ نے ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے

اورضعیف حدیث کوابواب الاحکام میں قیاس پرمقدم کیا ہے:

وليس أحد من الائمة إلا وهو موافقه على هذا الأصل من حيث الجملة فإنه ما منهم أحد إلا وقد قدم الحديث الضعيف على القياس فقدم أبو حنيفةؒ حديث القهقهة في الصلاة على محض القياس وأجمع أهل الحديث على ضعفه... وقدم الشافعي خبر تحريم صيد وَجٍّ (وَجٍّ بفتح الواو وتشديد الجيم موضع بناحية الطائف وقيل اسم جامع لحصونها وقيل اسم واحد منها) مع ضعفه على القياس وقدم خبر جواز الصلاة بمكة في وقت النهي مع ضعفه ومخالفته لقياس غيرها من البلاد ... وأما مالك فإنه يقدم الحديث المرسل والمنقطع والبلاغات وقول الصحابي على القياس . (اعلام الموقعين ۱/۲۵).

مذکورہ عبارت کا ماحصل حسبِ ذیل درج ہے:

سب ائمہ اس قاعدہ سے متفق ہیں کہ حدیث ضعیف قیاس پرمقدم ہے، امام ابوحنیفہؒ نے حدیثِ قہقہہ کوقیاس پرمقدم کیاباوجودیہ کہ اس کے ضعف پرمحدثین کا اتفاق ہے، امام شافعیؒ نے مقامِ وج کے شکار کی حرمت والی ضعیف روایت کوقیاس پرمقدم کیا، اسی طرح مکروہ اوقات میں مکہ مکرمہ میں نماز پڑھنے والی ضعیف روایت پرعمل کیا، اورامام مالکؒ تومرسل منقطع، بلاغات اوراقوالِ صحابہ کوبھی قیاس پرمقدم کرتے ہیں۔

جمہورفقہاءاورمحدثین کا موقف امام نوویؒ کی عبارت میں:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم:يجوز ويستحب العمل فی الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن

موضوعاً وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلک فلا يعمل فيها الا بالحديث الصحيح او الحسن الاان يكون في احتياط في شيء من ذلک، كما اذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة فإن المستحب أن يتنزه عنه ولكن لا يجب. (الاذکار ص ۲۵)

محدثین، فقہاء وغیرہ کے نزدیک ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے فضائل میں ترغیب وترہیب میں، نہ کہ احکام میں، ہاں اگر احکام میں احتیاط کا پہلو ہو تو پھر عمل کرنا مستحب ہوگا، اسی طرح ضعیف حدیث سے بعض بیوع کی کراہت مروی ہے تو اس سے بچنا بھی مستحب ہے واجب نہیں۔

(۲۰) محقق ابن ہمامؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال المحقق ابن الهمامؒ: والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع. (فتح القدیر ج۲ ص۱۳۳ فی اواخر باب الصلوة علی المیت)

محقق ابن ہمامؒ نے فرمایا: ضعیف حدیث سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: وروى الحاكم عنه صلى الله عليه وسلم: إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم فإن صح وإلا فالضعيف غير الموضوع يعمل به في فضائل الأعمال. (فتح القدير: ۱/ ۳۴۹، ط: دار الفكر).

(۲۱) شیخ شہاب الدین ابن حجر الہیتمیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال الشيخ ابن حجر المكيؒ:

قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لانه ان کان صحیحا فی نفس الامر فقد اعطی حقه من العمل به و الا لم یترتب علی العمل به مفسدة تحلیل و لاتحریم و لاضیاع حق الغیر. (فتح المبین فی شرح الاربعین،ص ۳۲)

شیخ ابن حجر مکیؒ نے فرمایا: علماء کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر اس وجہ سے عمل کیا جائے گا کہ اگر واقعی حدیث صحیح ہے تو اس پر عمل کر کے حق ادا کر دیا ورنہ اس پر عمل کرنے سے کوئی حلت وحرمت کا فساد مرتب نہیں ہوگا اور نہ کسی کے حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۲۲) علامہ علاء الدین حصکفیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال العلامة علاء الدین الحصکفيؒ: قال محقق الشافعیة الرملي: فیعمل به في فضائل الأعمال. فائدة: شرط العمل بالحدیث الضعیف عدم شدة ضعفه وأن یدخل تحت أصل عام وأن لا یعتقد سنیة ذلک الحدیث وأما الموضوع فلا یجوز العمل به ولا روایته إلا إذا قرن ببیانه. (الدر المختار:۱/۱۲۸، سعید)

(۲۳) علامہ ابن عابدین شامیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال العلامة ابن عابدین الشاميؒ:

قوله في فضائل الأعمال، أي لأجل تحصیل الفضیلة المترتبة علی الأعمال، قال ابن حجر في شرح الأربعین لأنه إن کان صحیحاً في

نفس الأمر فقد أعطیٰ حقه من العمل به وإلا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل و لا تحريم ولا ضياع حق الغير، وفي حديث ضعيف: ”من بلغه عني ثواب عمل فعمله حصل له أجره وإن لم أكن قلته“ أو كما قال . قال السيوطيؒ: ويعمل به أيضاً فی الأحكام إذا كان فيه احتياط .

(قوله عدم شدة ضعفه) شديد الضعف هو الذي لا يخلو طريق من طرقه من كذاب أومتهم بالكذب، قاله ابن حجر. قلت: مقتضى عملهم بهذا الحديث أنه ليس شديد الضعف فطرقه ترقيهم إلى الحسن. (قوله وأن لا يعتقد سنية ذلک الحديث) أي سنية العمل به. عبارة السيوطي في شرح التقريب: الثالث أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط. (قوله وأما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال) أي ولو في فضائل الأعمال . (رد المحتار: ۱/۱۲۸،ط: سعید)

درمختار میں مذکور ہے: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہئے۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اعمالِ صالحہ پر ملنے والی فضیلت حاصل ہوجائے۔ شیخ ابن حجرؒ شرح اربعین میں فرماتے ہیں: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل اس لئے کیا جائے گا کہ اگر وہ حدیث فی نفسہٖ صحیح ہے تو اس پر عمل کر کے اس کا حق ادا ہوگیا اور اگر وہ حدیث فی نفسہٖ صحیح نہیں ہے تو اس پر عمل کر کے حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کی کوئی خرابی لازم نہیں آئی اور نہ کسی کی حق تلفی ہوئی۔

ایک ضعیف حدیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: جس کو میرے

حوالہ سے کسی عمل پر ثواب ملنے کی حدیث پہنچی، سواس نے اس پر عمل کیا تو اسے اس کا اجر مل جائے گا اگر چہ میں نے وہ بات نہ کہی ہو۔ [یہ روایت اور اس کے ہم معنی مزید روایات اوران پر تحقیقی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: (دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیۃ، ص۲٦۴۔۲۷۸)،]

علامہ سیوطیؒ نے ذکر کیا کہ احکام میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہئے اگر اس میں احتیاط کا پہلو ہے۔

علامہ حصکفیؒ درمختار میں فرماتے ہیں: فائدہ: ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرائط:

(۱) ضعف شدید نہ ہو۔ (متقدمین اور متأخرین نے اس شرط کے خلاف عمل ظاہر کیا ہے، از شیخ محمد عوامہ، راجع: حکم العمل بالحدیث الضعیف، ص۸۰)۔

(۲) وہ ضعیف حدیث شرعی قاعدہ کلیہ کے تحت ہو۔ جو ضعیف حدیث قاعدۂ کلیہ کے خلاف ہو اس کو قبول نہ کیا جائے اس کی مثال میں سنن ابن ماجہ میں ص۲٦۴ پر وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس کی سند میں زمعہ بن صالح ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن أم سلمة قالت: خرج أبوبكر رضي الله عنه في تجارة إلى بصرى قبل موت النبي صلى الله عليه وسلم بعام ومعه نعيمان وسويبط بن حرملة وكانا شهدا بدراً وكان نعيمان على الزاد وكان سويبط رجلاً مزاحاً فقال لنعيمان أطعمني، قال: حتى يجيء أبوبكر قال: فلاغيظنک، قال: فمروا بقوم فقال لهم سويبط تشترون مني عبداً لي؟ قالوا: نعم، قال: إنه عبد له كلام وهو قائل لكم إني حر، فإن كنتم إذا قال لكم هذه المقالة تركتموه فلا تفسدوا على عبدى، قالوا: لا، بل نشتريه منک فاشتروه

منه بعشر قلائص ثم أتوه فوضعوا في عنقه عمامة أو حبلاً ، فقال نعيمان: إن هذا يستهزئ بكم ، وإني حر لست بعبد ، فقالوا: قد أخبرنا خبرک فانطلقوا به فجاء أبوبكر رضي الله عنه فأخبروه بذلک قال: فاتسع القوم ، ورد عليهم القلائص، وأخذ نعيمان، قال: فلما قدموا على النبي صلى الله عليه وسلم وأخبروه، قال: فضحک النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه منه حولاً. وفى الزوائد: وفي إسناده زمعة بن صالح وإن أخرج له مسلم فإنما روى له مقروناً بغيره، وقد ضعفه أحمد وابن معين وغيرهما .

یہ روایت مقررہ قاعدہ کہ حر کی بیع حرام ہے اس کے خلاف ہے اوراس میں حدیث وارد ہے نیز اِس قابل افسوس واقعہ پرایک سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابہ کا ہنسنا تو بالکل ہی عجیب ہے۔ اسی طرح: إن ولد الزنا شر الثلاثة . قال ابن الجوزی فی" العلل المتناهية " (١٢٨٢) هذا الحديث لا يصح وخالد لا يعرف من هو . اور إن ولد الزنا لا يدخل الجنة . ابن جوزیؒ نے الموضوعات میں تمام طرق بیان کرنے کے بعد فرمایا: ليس في هذه الأحاديث شيء يصح، وهي معارضة لقوله تعالىٰ : ﴿ ولاتزر وازرة وزر أخرى﴾ . (الموضوعات:٣/١١١). یہ روایات خلافِ قانون ہونے کی مثالیں بن سکتی ہیں۔امام جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا یہ احادیث اصولِ دین کے مخالف ہیں۔ قال: إن هذه الأحاديث مخالفة للأصول . (اللالی المصنوعة:٢/١٦٤).

(٣) سنت سمجھ کر عمل نہ کرے۔یعنی سنتِ مؤکدہ یالازم سمجھ کراس پرعمل نہ کیا

جائے بلکہ مستحب اور بہتر سمجھ کر عمل کیا جائے۔

موضوع حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں:

موضوع حدیث پر کسی حال میں عمل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا نقل کرنا جائز ہے الا یہ کہ اس کے موضوع ہونے کو واضح کردے، اِس شرط سے روایت کرنا جائز ہے۔
علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **وأما الموضوع فلا یجوز العمل به بحال أي ولو في فضائل الأعمال.** (رد المحتار: ۱/۱۲۸،ط: سعید)

(۲۵،۲۴) حافظ ابن حجرؒ و شیخ ابن العربیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

فتح الباری میں ہے:

وقال ابن العربي: هذا الحديث وإن كان فيه مجهول لكن يستحب العمل به لأنه دعاء. (فتح الباری:۱۰/۶۰۶) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابن عربی کے نزدیک بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے۔

(۲۶) امام بیہقیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

امام بیہقیؒ نے سترہ نہ ہونے کے وقت خط کھینچنے والی حدیث سے استدلال فرمایا، حالانکہ یہ روایت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: **ولا بأس به في مثل هذا الحكم إن شاء الله تعالى وبه التوفيق.** (السنن الکبری للبیهقی: ۲/۲۷۱).

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں فرماتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن مهدیؒ أنه قال: إذا روينا فی الثواب والعقاب وفضائل الأعمال، تساهلنا فی الأسانيد، وتسامحنا فی

الرجال وإذا روينا في الحلال والحرام والأحكام تشددنا في الأسانيد وانتقدنا الرجال . (دلائل النبوة للبيهقي ۱/ ۳٤)

محدثین کا قول" إذا روينا في الحلال والحرام تشددنا "کا مطلب:

شیخ عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے حلال اورحرام کا مطلب فرائض یعنی لازم چیزیں اورمحرمات بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: وينبغي الوقوف عند قولهم: الحلال والحرام، فهذا يعني : المفروض والمحرم ، أما الفضائل: فهي ما سواهما من مستحبات ومكروهات، وتقدم أيضاً ص ۱۳۹۔ ۱۴۰ : أن الرأى المستقر عند الأصوليين: أن الأحكام التكليفية هي المفروض والمحرم التي فيها إيجاب وإلزام وتكليف فعلاً وتركاً ، أما المستحبات والمكروهات فلا إلزام فيها ولا كلفة . (حكم العمل بالحديث الضعيف،ص ۲۰٦) اورص ۱۳۹ پر تحریر فرمایا کہ اصولیین احکامِ تکلیفیہ مستحب اورمکروہ اور مباح کو شامل سمجھتے ہیں اور یہاں محدثین کی اصطلاح میں احکامِ تکلیفیہ مستحب ،مباح اورمکروہ کو شامل نہیں کیونکہ مستحب کے چھوڑنے اورمکروہ یعنی تنزیہی کے ارتکاب میں گناہ نہیں ،شیخ نے اس مقام پرعبداللہ صدیق غماری کی کتاب الحاوی سے پوری عبارت نقل فرمائی ہے۔

اوراگر کوئی اشکال کرے کہ حلال سے واجبات لینا بظاہر صحیح نہیں اس لیے کہ حلال تو مباح کو کہتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حلال کے مقابلہ میں فضائل آئے ہیں تو لامحالہ حلال سے واجبات مراد ہوں گے اس لیے کہ فضائل کے معنی وہ اعمال ہیں

جن پر عمل لازم نہ ہوں تو اس کے مقابل وہ اعمال ہیں جن پر عمل ضروری ہے۔

(۲۷) علامہ ابن تیمیہؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت :

فتاوی ابن تیمیہؒ میں ہے:

فإذا روى حديث في فضل بعض الأعمال المستحبة وثوابها وكراهة بعض الأعمال وعقابها: فمقادير الثواب والعقاب وأنواعه إذا روي فيها حديث لا نعلم أنه موضوع جازت روايته والعمل به، بمعنى: أن النفس ترجو ذلك الثواب أو يخاف ذلك العقاب...فما علم أنه باطل، موضوع لم يجز الالتفات إليه، فإن الكذب لا يفيد شيئاً، وإذا ثبت أنه صحيح اثبتت به الأحكام، وإذا احتمل الأمرين روى لإمكان صدقه ولعدم المضرة في كذبه، وأحمد إنما قال: إذا جاء الترغيب والترهيب تساهلنا فى الأسانيد ومعناه: إنا نروى في ذلك بالأسانيد وإن لم يكن محدثوها من الثقات الذين يحتج بهم، وكذلك قول من قال: يعمل بها في فضائل الأعمال، إنما العمل بها العمل بما فيها من الأعمال الصالحة مثل التلاوة والذكر والاجتناب لما كره فيها من الأعمال السيئة. (فتاوى ابن تيمية: ١٨/٦٦)

علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض مستحب اعمال کی فضیلت وثواب اور بعض اعمال کی کراہت وسزا میں جو روایات مروی ہوں نیز ثواب وسزا کی مقدار کے بارے میں جو روایات مروی ہوں اور یہ معلوم نہیں کہ وہ موضوع ہیں تو ان کو روایت کرنا

بھی جائز ہے اوران پرعمل کرنا بھی درست ہے، یعنی عمل کرتے وقت اس ثواب کی امید رکھے یا اس سزا سے ڈرے۔

ہاں جب معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث موضوع ہے تو اس کی طرف توجہ بھی نہ کرے اس لئے کہ جھوٹ سے کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوتا۔اور جب ثابت ہو کہ حدیث صحیح ہے تو اس سے احکام ثابت ہوں گے، اور جب صحت و عدمِ صحت کا احتمال غالب ہو تو امکانِ صدق کی وجہ سے اور کذب میں نقصان نہ ہونے کی وجہ سے روایت کرنا جائز ہے۔

جن حضرات نے فرمایا کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پرعمل کرنا جائز ہے انکا مطلب بھی یہی ہے کہ ضعیف حدیث سے جو نیک اعمال ثابت ہیں ان کو کریں، مثلاً تلاوت قرآن کریم اور ذکرواذکار، ادعیہ وغیرہ، اسی طرح اُن برے اعمال سے بچیں جن میں کراہت وارد ہوئی ہے، لہذا ضعیف حدیث میں جن اعمال کی ترغیب ہے تو اسکا کرنا مستحب ہے اور اگر کسی عمل سے روکا ہے تو اس سے بچنا بھی مستحب ہوگا۔

(۲۸) علامہ عبدالحی لکھنویؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے لکھا ہے:

إذا وجد حديث ضعيف في فضيلة عمل من الأعمال، ولم يكن هذا العمل مما يحتمل الحرمة أو الكراهة فإنه يجوز العمل به ويستحب لأنه مأمون الخطر ومرجو النفع، إذ هو دائر بين الإباحة والاستحباب، فالاحتياط العمل به رجاء الثواب. (الاجوبة الفاضلة للاسئلة العشرة الكاملة ص٥٧)

ظفر الأماني میں ہے:

ویجوزعند العلماء التساهل فی اسناد الضعیف دون الموضوع وروایته من غیربیان فی المواعظ والقصص وفضائل الاعمال ای فضائل الاعمال الثابتة والمندوبات التی یثاب فاعلها ولایذم تارکها، فانه یجوز فیها اخذالحدیث الضعیف والعمل به لانه ان کان صحیحا فی نفس الامرفقد اعطی حقه من العمل والالم یترتب علی العمل به مفسدة تحلیل و لا تحریم و لا ضیاع حق للغیر. (ظفر الامانی ص۱۱۲)

(۲۹) شیخ ابن بدران حنبلیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

شیخ ابن بدران الحنبلیؒ المدخل میں فرماتے ہیں:

تتمة : ذهب الإمام أحمد وتبعه موفق الدین المقدسی والأکثر إلی أنه یعمل بالحدیث الضعیف فی الفضائل . (المدخل:۱/۲۱۳)

(۳۰) شیخ ابن مفلح حنبلیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

وقال الشیخ : لا باس بها فإن الفضائل لا تشترط لها صحة الخبر... وقال شیخنا: العمل بالخبرالضعیف بمعنی أن النفس ترجو ذلک الثواب أو تخاف ذلک العقاب . (کتاب الفروع فی فقه الامام احمد بن حنبل:۱/۳۸۷، باب صلاة التطوع، ط: دار الکتاب العربی)

وفی آداب الشرعیة : فصل فی العمل با لحدیث الضعیف وروایته والتساهل فی أحادیث الفضائل دون ما تثبت به الأحکام والحلال والحرام: ولأجل الآثار المذکورة فی الفصل قبل هذا ینبغی

الإشارة إلى ذكر العمل بالحديث الضعيف و الذى قطع به غير واحد عمن صنف فى علوم الحديث حكاية عن العلماء انه يعمل بالحديث الضعيف فيما ليس فيه تحليل ولا تحريم كالفضائل ...

قال الامام احمد فى المسند حدثنا سريج حدثنا ابو معشر عن سعيد عن أبى هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ:ما جاء كم عنى من خير قلته أو لم أقله فأنا أقوله وما أتاكم من شر فإنى لا أقول الشر(مسند أحمد) وانظر فيما بعده، أبومعشر اسمه نجيح، لين مع أنه صدوق حافظ ورواه ابوبكر البزار من حديثه . (آداب الشرعية ٢/٢٨٥)

اس روایت "ما جاء كم عني من خير قلته..." کے ہم معنی روایات پر پوری بحث شیخ عبدالمجید ترکمانی نے دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیہ نامی کتاب میں ص ۲۶۴۔۲۷۸ تک کی ہے،اس مختصر رسالہ میں اس کی گنجائش نہیں۔

(۳۱) شیخ محمد الخرشی المالکیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: اتفق العلماء علىٰ جوازالعمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال . (شرح مختصر خليل:١/٢٥،ط: دارالفكر بيروت)

(۳۲،۳۳) شیخ ابن ادریس البہوتیؒ وجلال الدین محلیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال جلال الدين المحلى أنه روى عن النبى صلى الله عليه وسلم من طرق فى تاريخ ابن حبان وغيره وإن كانت ضعيفة للعمل بالحديث

الضعيف فی فضائل الأعمال انتهی . (کشاف القناع ١/١٠٣، وشرح الجلال المحلی علی المنهاج للنووی: ١/٥٦)

(٣٤) شیخ مصطفیٰ سیوطی حنبلیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال: فلا باس لجواز العمل بالحديث الضعيف فی فضائل الأعمال قال الشيخ تقی الدين: العمل بالخبر الضعيف بمعنی أن النفس ترجو ذلک الثواب أو تخاف ذالک العقاب . (مطالب اولی النهی ١/٥٨٠، ط المکتب الاسلامی)

(٣٥) امام نوویؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

وقد قدمنا اتفاق العلماء علی العمل بالحديث الضعيف فی فضائل الأعمال دون الحلال والحرام . (المجموع: ٣/٢١٨)

وفی الاذکار بعد ان ذکر حديث:من أحيی ليلتی العيدين...قال: هو حديث ضعيف...لکن أحاديث الفضائل يتسامح فيها. (الاذکار: ٢١٢) **وقال فی شرح المهذب: يستأنس بأحاديث الفضائل وإن کانت ضعيفة الإسناد ، ويعمل بها فی الترغيب والترهيب** . (٥/٢٩٣)

(٣٦) شیخ ابن قدامہ حنبلیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

ابن قدامہؒ المغنی میں صلاۃ التسبیح ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ نوافل اور فضائل میں صحتِ حدیث شرط نہیں ہے۔ **قال : وإن فعلها إنسان فلا بأس فإن النوافل والفضائل لا**

یشترط صحة الحدیث فیها. (المغنی فی فقه الإمام احمد بن حنبل الشیبانی: ۱/۷۹۹،ط:دار الفکر).

(۳۷) شیخ عبدالحمید المکی الشروانی الشافعیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال فی حواشی الشروانی: ان الحدیث الضعیف یعمل به فی فضائل الاعمال. (حواشی الشروانی: ۱/۵۲،)

نیز مذکور ہے:

وقال الشارح : وفات الرافعی والنووی أنه روی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من طرق في تاریخ ابن حبان وغیره وإن کانت ضعیفة للعمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال ومشی شیخی علی أنه مستحب وأفتی به لهذا الحدیث . (حواشی الشروانی:۱/۲۴۰)

(۳۸) شیخ محمد خطیب شربینیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال: یسن إحیاء لیلتی العید بالعبادة من صلاة وغیرها من العبادات لخبر: من أحیا لیلتی العید لم یمت قلبه یوم تموت القلوب، رواه الدار قطني موقوفاً قال فی المجموع وأسانیده ضعیفة ومع ذلک استحبوا الإحیاء لأن الحدیث الضعیف یعمل به فی فضائل الأعمال.

(مغنی المحتاج:۱/۳۱۳، باب صلاة العیدین ، ط: دارالفکر)

(۳۹) شیخ احمد بن غنیم المالکیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال: قد تقرر جواز العمل بالحدیث الضعیف فی الأعمال.

(الفواکه الدوانی علی رسالة ابن ابی زید القیروانی،ص ۱۷۴)

(۴۰) شیخ ملا علی القاریؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

وقال علی القاری فی رسالة " الحظ الاوفر فی الحج الاکبر" بعد ذکر حدیث افضل الایام یوم عرفة، إذا وافق یوم الجمعة فهو افضل من سبعین حجة ، رواه رزین، أما ماذکره بعض المحدثین فی اسناد هذا الحدیث انه ضعیف فعلی تقدیر صحته لایضر المقصود ، فان الحدیث الضعیف معتبر في فضائل الأعمال عند جمیع العلماء من أرباب الکمال. انتهی. (الاجوبة الفاضله ص۳۷)

وقال فی رسالة الموضوعات عند ذکر حدیث مسح الرقبة أمان من الغل: الضعیف یعمل به فی فضائل الأعمال اتفاقاً، ولذلک قال ائمتنا: إن مسح الرقبة مستحب أوسنة . (الموضوعات الکبیر ص ۱۰۸)

(۴۱) حافظ عراقیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

وقال العراقی فی شرح ألفیة الحدیث: أما غیر الموضوع فجوزوا التساهل في إسناده وروایته من غیر بیان لضعفه إذا کان فی غیر الأحکام والعقائد، بل فی الترغیب والترهیب من المواعظ والقصص وفضائل الأعمال ونحوها، أما إذا کان فی الأحکام الشرعیة من الحلال والحرام وغیرهما أوفی العقائد کصفات اللّٰه تعالی وما یجوز و یستحیل علیه ونحو ذلک فلم یروا التساهل فی ذلک وممن

نص علی ذلک من الائمة : عبد الرحمن بن مهدی و أحمد بن حنبل وعبد اللّٰہ بن المبارک وغیرهم . انتهی . (الاجوبة الفاضلة : ۴۰)

(۴۲) حافظ ابن کثیرؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال في تفسیره بعد أن ذکر الأحادیث والآثار الواردة في فضل غض البصر: وروي هذا مرفوعاً عن ابن عمر وحذیفة وعائشة رضی اللہ عنہم ولکن في أسانیدها ضعف ، إلا أنها في الترغیب ، ومثله یتسامح فیه. (تفسیر ابن کثیر، النور: ۳۰).

(۴۳) علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال الإمام السیوطیؒ : ویعمل بالضعیف أیضا فی الأحکام إذا کان فیه الاحتیاط . (تدریب الراوی: ۱/ ۲۹۹).

علامہ سیوطیؒ نے فرمایا: احکام میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کیا جائیگا جبکہ احتیاط کا پہلو ہو۔

قال: ویجوز عند أهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الاسانید الضعیفة و روایة ما سوی الموضوع من الضعیف والعمل به من غیر بیان ضعفه فی غیر صفات اللّٰہ تعالی والاحکام کالحلال والحرام وغیرهما وذلک کالقصص وفضائل الاعمال والمواعظ وغیرها مما لا تعلق له بالعقائد والاحکام ومن نقل عنه ذلک :ابن حنبلؒ وابن مهدیؒ وابن المبارکؒ قالوا اذارویںا فی الحلال والحرام شددناو اذا روینا فی الفضائل ونحوها تساهلنا . (تدریب الراوی :۱/ ۲۹۸)

(۴۴) حافظ شمس الدین ذہبیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال: أكثر الائمة على التشديد في أحاديث الأحكام، والترخيص قليلاً، لا كل الترخص في الفضائل والرقائق، فيقبلون في ذلك ما ضعف إسناده، لا ما اتهم رواته، فإن الأحاديث الموضوعة، والأحاديث الشديدة الوهن لا يلتفتون إليها، بل يروونها للتحذير منها، والهتك لحالها... الخ. (سیراعلام النبلاء: ۸/ ۵۲۰،ط: الرسالة).

(۴۵) علامہ جمال الدین قاسمی دمشقیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال: الثالث: يعمل به في الفضائل بشروطه الآتية وهذا هو المعتمد عند الائمة قال ابن عبد البر: وأحاديث الفضائل لايحتاج فيها إلى ما يحتج به فقال الحاكم: سمعت أبا زكريا العنبرى يقول: الخبر إذا ورد لم يحرم حلالاً ولم يحلل حراماً ولم يوجب حكماً وكان في ترغيب أو ترهيب أغمض عنه وتسوهل في روايته ولفظ ابن مهدى فيما أخرجه البيهقي في المدخل: إذا روينا عن رسول الله ﷺ في الحلال والحرام و الاحكام شددنا في الاسانيد وانتقدنا في الرجال واذا روينا في الفضائل والثواب والعقاب سهلنا في الاسانيد وتسامحنا في الرجال ولفظ احمد في رواية الميمونى عنه: الاحاديث الرقائق يحتمل ان يتساهل فيها حتى يجيء شيء فيه حكم وقال في رواية عباس الدورى عنه: ابن اسحاق رجل تكتب عنه هذه الاحاديث يعنى

المغازی ونحوها واذا جاء الحلال والحرام اردنا قوما هکذا وقبض أصابع یده الأربع. (قواعد التحدیث ص۱۳۳)

(۴۶) شیخ محمد عطیہ سالم تلمیذ الشیخ الشنقیطی اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: ولو فرض وقدر جدلا أن فی السند مقالاً، فإن أئمة الحدیث لایمنعون إذا لم یکن فی الحدیث حلال أوحرام أو عقیدة ، بل کان باب فضائل الأعمال لا یمنعون العمل به، لأن باب الفضائل لا یشدد فیه هذا التشدد ونقل السیوطي مثل ذلک عن أحمد وابن المبارک. (التتمة من أضواء البیان ۸/۵۷۲،۵۷۳).

عبارتِ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حدیث میں ضعف ہو پھر بھی محدثین فضائل میں اس پر عمل کرنے سے نہیں روکتے ہیں جبکہ اس میں حلال حرام اورعقیدہ کا ذکر نہ ہو، اس لئے کہ فضائل میں تشدد سے کام نہیں لیا جاتا ،امام سیوطیؒ نے امام احمدؒ اورعبداللہ بن مبارکؒ سے اسی طرح نقل فرمایا ہے۔

(۴۷) شیخ سراج الدین ابن الملقن شافعیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال فی" البدر المنیر" (۲/۲۸۰ط:الریاض): وقد نص العلماء علی أنه یتسامح فی الأحادیث الواردة في فضائل الأعمال...الخ .

(۴۸) شیخ عبدالوہاب عبداللطیف اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: نص علی قبول الضعیف فی فضائل الاعمال احمد بن حنبل وابن سید والنووی والعراقی والسخاوی والشیخ زکریاؒ وابن

حجر العسقلانیؒ والسیوطیؒ وعلی القاریؒ بل ذهب ابن الهمامؒ الی انه یثبت به الاستحباب واشار إلی ذلک النووی وابن حجر المکی والجلال الدوانی...وتوسع فی القول فیه والعمل به اللکنوی فی ظفر الأماني بشرح خلاصة الجرجاني وفي رسالته" الأجوبة الفاضلة"وممن أفاض في ذلک ابن عدی في مقدمة کتابه الکامل والخطیب فی الکفایة . (حاشیة تدریب الراوی للشیخ عبد الوهاب عبداللطیف الاستاذ بجامعة الازهر: ۲۹۹/۱)

(۴۹) شیخ صالح بن محمد بن نوح العمری اور ضعیف حدیث کی حجیت:

إیقاظ همم أولی الأبصار میں ہے:

قال بعض أصحاب التحقیق فی رسالة له فی علم أصول الحدیث فی تحقیق الحدیث الضعیف انه یجوز عند العلماء التساهل فی روایة الضعیف دون الموضوع بان لم یبین ضعفه فی المواعظ والقصص وفضائل الاعمال لافی صفات اللّٰہ تعالی واحکام الحرام والحلال قیل أنه یخرج (الامام النسائی)عن کل من لم یجمع علی ترکه وابو داؤد کان یاخذ ماخذه ویخرج الضعیف اذا لم یجد فی الباب غیره ویرجحه علی راي الرجال . (إیقاظ همم أولی الابصار للاقتداء بسید المهاجرین والانصار،ص۶۳)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث فضائل میں قابل قبول ہے۔

مذکورہ نقولِ ائمہ سے معلوم ہوا کہ ائمہ اور محدثین کے نزدیک حدیثِ ضعیف کی

اہمیت ہے، حدیثِ ضعیف کوانہوں نے بالکل ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالا بلکہ قیاس کے مقابلہ میں اولیٰ اور بہتر جانا اور احکام کے ابواب میں بھی استدلال کیا جب کہ اس باب میں کوئی اور نص نہیں پائی۔

(۵۰) شیخ عبدالرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد اور ضعیف حدیث کی حجیت:

صاحبِ تحفۃ الاحوذی جوغیر مقلد ہیں وہ بھی فضائل میں ضعیف احادیث کو قابل استدلال تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ نمازِ اوابین کے بارے میں لکھتے ہیں:

عن حذیفةؓ قال: أتیت النبي صلی اللّٰه علیه وسلم فصلیت معه المغرب فصلی إلی العشاء، قال المنذری رواه النسائي بإسناد جید وقد ورد في فضیلة الصلاة بین العشائین غیر هذه الأحادیث ذکرها الشوکاني فی النیل وقال بعد ذکرها: الأحادیث المذکورة وإن کان أکثرها ضعیفة فهي منتهضة بمجموعها لا سیما في فضائل الأعمال.

(تحفة الاحوذی: ۲/۴۲۲،باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعدالمغرب).

علامہ شوکانی کے حوالہ سے ذکر کیا کہ اوابین کی نماز کے بارے میں اکثر روایات ضعیف ہیں لیکن مجموعی اعتبار سے خصوصاً فضائل میں کارآمد ہیں۔ دوسری جگہ تکبیر اولیٰ کی فضیلت کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ سند منطقع ہونے کے باوجود فضائل میں عمل کرنا درست ہے۔ **قال بن حجرؒ: رواه الترمذی بسند منقطع ومع ذلک یعمل به في فضائل الأعمال.** (تحفة الاحوذی: ۲/۴۰، باب فی فضل التکبیرة الاولی).

موجودہ دور کے سلفی حضرات جوامت کے سادہ لوح عوام کو اعمالِ خیر سے روکتے

ہیں فقط اس بنا پر کہ حدیث ضعیف ہے اور کہتے ہیں: **إن یتبعون إلا الظن و إن الظن لا یغني من الحق شیئاً۔** ان کے لیے متقدمین ومتأخرین علماء کی عبارات سرمہ بصیرت ہیں۔

(۵۱) شیخ محمد عبد السلام مبارکپوری اور ضعیف حدیث کی حجیت:

صاحبِ مرعاۃ عبد السلام مبارکپوری غیر مقلد سنتِ مغرب جلدی ادا کرنے کے بارے میں مرسل روایت کے تحت لکھتے ہیں: **قال ابن حجرؒ: والإرسال هنا لا یضر، لأن المرسل کالضعیف الذي لم یشتد ضعفه، یعمل بهما في فضائل الأعمال.** (مرعاۃ المفاتیح: ۴/۱۶۱/۱۱۹۲، باب السنن و فضلها).

یعنی مرسل روایت عام ضعیف روایت کے درجہ میں ہے اور مرسل وضعیف دونوں فضائل اعمال میں قابل قبول ہیں۔ دوسری جگہ لکھا ہے: **قد اتفقوا علی جواز العمل بالضعیف في فضائل الأعمال، فتأمل.** (مرعاۃ المفاتیح: ۱/۳۵۰/۲۶۲، کتاب العلم، الجامعة السلفیة).

(۵۲) شیخ محمد یاسین الفادانی المکیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال فی" العجالة فی الأحادیث المسلسلة " (ص۱۱۶): **وهذا لایقتضی الحکم علی الحدیث بالوضع و إنما تقتضی الضعف الذي جوزوا روایته والعمل به في فضائل الأعمال والترغیبات.**

شیخ محمد یاسین فادانی شافعی مکیؒ کی شخصیت بہت مشہور تھی مکہ مکرمہ میں حدیث شریف کا درس دیتے تھے فرماتے ہیں کہ کسی سند میں متہم راوی ہوتو وہ روایت موضوع

نہیں ہوتی ہاں اس کو ضعیف کہیں گے اور محدثین نے ضعیف حدیث کی روایت اور فضائل اعمال میں اس پر عمل کی اجازت دی ہے۔

(۵۳،۵۴) امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر اور اشاعۃ التوحید و السنہ کے مقتدیٰ مولانا محمد طاہر رحمہما اللہ تعالیٰ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

ڈاکٹر مولانا سراج الاسلام لکھتے ہیں:

شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب اور شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر لکھتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: " **أبى الله أن يقبل عمل صاحب بدعة حتى يدع بدعته** " اللہ تعالیٰ نے بدعتی کے عمل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اس وقت تک کہ وہ اپنی بدعت کو ترک نہ کر دے۔ (اصول السنہ لرد البدعہ ص۱۲، وراہِ سنت، ص۷۲)

پھر ڈاکٹر صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سنن ابن ماجہ کی اس روایت میں چار راویوں پر کلام ہے۔ ۱۔عبداللہ بن سعید مقبری مدنی واہی ہے، ۲۔بشر بن منصور، ۳۔ابوزید مجہول ہے، ۴۔ابوالمغیرہ مجہول ہے۔

آگے لکھتے ہیں: شیخ الحدیث صاحب نے ایک اور روایت یہ بھی لکھی: " **لا يقبل الله لصاحب بدعة صوماً ولا صلاة ولا صدقة ولا حجاً ولا عمرة ولا جهاداً ولا صرفاً ولا عدلاً يخرج من الإسلام لما تخرج الشعرة من العجين** " اس میں ایک راوی محمد بن محصن ہے جس کو امام بخاریؒ نے منکر الحدیث فرمایا ہے۔ (خلاصہ از مجموعہ:۹۳۔۹۴)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات حدیثِ ضعیف کو قابل استدلال مانتے ہیں اگر چہ ڈاکٹر صاحب جو اشاعۃ التوحید کے ہم نوا اور ہم مشرب ہیں اس استدلال سے خوش نہیں۔

ایک اور ضعیف روایت ڈاکٹر سراج صاحب ہی کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں جس سے مولانا سرفراز صاحب نے ختنہ کی دعوت کی ممانعت پر استدلال کیا ہے اور اس کے ضعف کو مولانا سراج الاسلام صاحب نے بیان فرمایا ہے:

حدثنا عبد اللّٰه حدثنا أبي حدثنا محمد بن سلمة الحراني عن ابن إسحاق يعني محمداً عن عبيد اللّٰه أو عبد اللّٰه بن طلحة بن كريز عن الحسن قال: دعي عثمان بن أبي العاصؓ إلى ختان فأبى أن يجيب فقيل له فقال ... الخ. (مسند أحمد: ۴/۲۱۷)

روایت کا حاصل یہ ہے کہ عثمان بن ابی العاصؓ کو کسی ختنہ میں دعوت دی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا جب ان سے انکار کی وجہ دریافت کی گئی تو صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا: **إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولا ندعى له.** (راہِ سنت ۱۴۲، طباعت ستمبر ۱۹۸۱ء) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ختنہ میں شرکت نہیں کرتے تھے اور نہ ہمیں بلایا جاتا تھا، پھر ڈاکٹر صاحب نے اس روایت کی سند میں دو کمزوریاں بیان کی ہیں: ۱۔ محمد بن اسحاق بن یسار کا عنعنہ جبکہ ان کا مدلس ہونا معروف ہے، ۲۔ حسن بصریؒ نے عثمان بن ابی العاصؓ سے احادیث کی سماعت نہیں کی علاوہ ازیں وہ مدلس ہیں۔ (خلاصہ از مجموعہ، ۹۳)۔

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرائط:

علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

یشترط للعمل بالحدیث الضعیف ثلاثة شروط علی ماذکره السیوطی فی شرح تقریب النووی والسخاوی فی القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع وغیرهما...

الأول : عدم شدة ضعفه ، بحیث لا یخلو طریق من طرقه عن کذاب أو متهم بالکذب . [قال الشیخ محمد عوامة : الا أن أقوال وواقع کثیر من متقدمیهم ومتأخریهم علی خلاف هذا الشرط، وبعض من قال بهذا الشرط خالفه فی واقعة العملی . (حکم العمل بالحدیث الضعیف،ص ۸۰). کما سیأتی]

الثانی: أن یدخل تحت أصل عام .

والثالث: أن لا یعتقد سنیة ما ثبت بذلک الحدیث، بل یعتقد الاحتیاط. وله أمثله کثیرة لا تخفی علی ماهر فن الفقه. (ظفرالامانی ص۱۱۲)

تدریب الراوی میں ہے:

تنبیہ : لم یذکر ابن الصلاح والمصنف ھنا وفی سائر کتبہ مما ذکر سوی ھذا الشرط وھو کونہ فی الفضائل ونحوھا، وذکر شیخ الاسلام لہ ثلاثۃ شروط.

احدھا: ان یکون الضعف غیر شدید، فیخرج من انفرد من الکذابین والمتھمین بالکذب ومن فحش غلطہ نقل العلائی الاتفاق علیہ. الثانی : ان یندرج تحت اصل معمول بہ. الثالث :ان لایعتقد عند العمل بہ ثبوتہ بل یعتقد الاحتیاط. (تدریب الراوی:۱/۲۹۸)

تیسیر مصطلح الحدیث میں ہے:

حکم العمل بہ: اختلف العلماء فی العمل بالحدیث الضعیف والذی علیہ جمھور العلماء انہ یستحب العمل بہ فی فضائل الاعمال لکن بشروط ثلاثۃ اوضعھا الحافظ ابن حجرؒ وھی:(۱)ان یکون الضعف غیر شدید (۲) ان یندرج الحدیث تحت اصل معمول بہ (۳) أن لایعتقد عند العمل بہ ثبوتہ بل یعتقد الاحتیاط. (تیسیر مصطلح الحدیث ص٦٥)

محدثین وفقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر علما متفق ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا،(یعنی مستحبات ومکروہات میں)نیز مواضع احتیاط میں تین شرائط کے ساتھ مستحب ہے:

(۱) ضعف شدید نہ ہو یعنی اس روایت کے بیان کرنے میں کوئی راوی کذاب یا متہم بالکذب منفرد نہ ہو۔(متقدمین اور متأخرین نے اس شرط کے خلاف عمل ظاہر

کیا ہے، از شیخ محمد عوامہ، راجع: حکم العمل بالحدیث الضعیف، ص ۸۰)۔

(۲) ضعیف حدیث کسی شرعی قاعدہ کے تحت آتی ہو۔ جو ضعیف حدیث قاعدۂ کلیہ کے خلاف ہو اس کو قبول نہ کیا جائے اس کی مثال میں سنن ابن ماجہ میں ص ۲۶۴ پر وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس کی سند میں زمعہ بن صالح ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن أم سلمة قالت: خرج أبوبكر ﷺ في تجارة إلى بصرى قبل موت النبي صلى الله عليه وسلم بعام ومعه نعيمان وسويبط بن حرملة وكانا شهدا بدراً وكان نعيمان على الزاد وكان سويبط رجلاً مزاحاً فقال لنعيمان أطعمني، قال: حتى يجيء أبوبكر قال: فلاغيظنک، قال: فمروا بقوم فقال لهم سويبط تشترون مني عبداً لي؟ قالوا: نعم، قال: إنه عبد له كلام وهو قائل لكم إني حر، فإن كنتم إذا قال لكم هذه المقالة تركتموه فلا تفسدوا على عبدى، قالوا: لا، بل نشتريه منک فاشتروه منه بعشر قلائص ثم أتوه فوضعوا في عنقه عمامة أوحبلاً ، فقال نعيمان: إن هذا يستهزئ بكم ، وإني حر لست بعبد ، فقالوا: قد أخبرنا خبرک فانطلقوا به فجاء أبوبكر ﷺ فأخبروه بذلک قال: فاتسع القوم ، ورد عليهم القلائص، وأخذ نعيمان، قال: فلما قدموا على النبي صلى الله عليه وسلم وأخبروه، قال: فضحک النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه منه حولاً. وفى الزوائد: وفي إسناده زمعة بن صالح وإن أخرج له مسلم فإنما روى له مقروناً بغيره، وقد ضعفه أحمد وابن معين وغيرهما .

یہ روایت مقررہ قاعدہ کہ حر کی بیع حرام ہے اس کے خلاف ہے اور اس میں حدیث وارد ہے نیز اِس قابل افسوس واقعہ پر ایک سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا ہنسنا تو بالکل ہی عجیب ہے۔ اسی طرح: **إن ولد الزنا شر الثلاثة . قال ابن الجوزی فی" العلل المتناهية "** (۱۲۸۲) **هذا الحديث لا يصح وخالد لا يعرف من هو .** اور **إن ولد الزنا لا يدخل الجنة.** ابن جوزیؒ نے **الموضوعات** میں تمام طرق بیان کرنے کے بعد فرمایا: **ليس في هذه الأحاديث شيء يصح، وهي معارضة لقوله تعالىٰ : ﴿ ولاتزر وازرة وزر أخرى ﴾ .** (الموضوعات: ۳/ ۱۱۱). یہ روایات خلافِ قانون ہونے کی مثالیں بن سکتی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا یہ احادیث اصولِ دین کے مخالف ہیں۔ **قال: إن هذه الأحاديث مخالفة للأصول .** (اللالی المصنوعة: ۲/ ۱٦۴).

(۳) حدیث کے قطعی ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے بلکہ صرف احتیاط کا اعتقاد ہو۔ یعنی سنتِ مؤکدہ یا لازم سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا جائے بلکہ مستحب اور بہتر سمجھ کر عمل کیا جائے۔

شیخ محمد عوامہ نے چند مزید شرائط ذکر فرما کر ان پر نقد و جرح بھی فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

شروط العمل بالحديث الضعيف: (۱) أطلق الأئمة المتقدمون الذين تقدمت أقوالهم، أطلقوا القول في جواز العمل به، دون أی قيد أو شرط، لتحديد رتبة ضعفه ، سوى أن يكون الحديث فی باب الفضائل والترغيب والترهيب ، أما الأحكام الشرعية: الحلال والحرام: فلا ، وأما العقائد فمن باب أولىٰ أن لا يحتج به فيها .

(۲) ثم زاد ابن الصلاح شرطاً آخر ملحوظاً من خلال اطراح العلماء جميعهم للحديث الموضوع، وقال: ما خلاصته: أن لا يصل الضعف به إلى كونه موضوعاً، وتابعه عليه من بعده ، فهذا شرط ثانٍ. وهذا مما اتفق عليه العلماء .

(۳) وارتأى آخرون إخراج ما اشتد ضعفه عن دائرة ما يعمل به، فهذا شرط ثالث، ادعى عليه الاتفاق، ولا يصح، وسيأتي البيان. وذكر بعض العلماء شروطاً أخرى، وهي:

(۴) أن يكون لهذا الضعيف أصل يندرج تحته .

(۵) وأن لا يعتقد العامل به ثبوته .

(٦) وأن لا يَشْهَر العاملُ عمله به أمام الناس .

(۷) وأن لا يعتقد سنيته .

(۸) وأن لا يخالف الضعيف حديثاً صحيحاً .

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ تیسری شرط پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أما الشرط الثالث: أن لا يشتد ضعفه ؛ فهذا شرط صرح به كثير من أهل العلم، وصورته كما قال الحافظ: يخرج به من انفرد به بعض المتهمين، ومن فحش غلطه ، ثم نقل عن العلائى الاتفاق على هذا الشرط، أى: لا يجوز العمل بحديث شديد الضعف مع توفر الشروط الأخرى فيه. إلا أن أقوال وواقع كثير من متقدميهم و متأخريهم على خلاف هذا الشرط، وبعض من قال بهذا الشرط خالفه في واقعه العملى

وسيأتي تطبيقاتهم إن شاء الله في المبحث الأول من الباب الثاني...
(حكم العمل بالحديث الضعيف، ص۷۳ ـ ۸۰).

أنني لا أدعو إلى إشاعة ما اشتد ضعفه ،لكني إذا رأيت من يفعله من أهل العلم الأيقاظ: لا أنكره عليه، فله أسوة وقدوة، من أئمة كبار، لكن بشرط أن لا يكون فيه نكارة في معناه، أو غرابة شديدة إن كان خيراً ، أو معجزة ، أو نحو ذلک ، مما لا تحتمله عقول السامعين أو القارئين، وهذا الاستثناء يتصل بحكمة المؤلف أو المتحدث ، و خبرته بعقول السامعين أو القارئين، وما إلى ذلک، ولا ينبغي له إهمال هذا الجانب أبداً . (حكم العمل بالحديث الضعيف،ص: ۱۰۴).

شیخ عوامہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ متقدمین کے ہاں صرف ایک شرط تھی کہ ضعیف حدیث فضائل میں کارآمد ہے، باقی دوسری شروط بعد میں ابن صلاح اور ابن حجرؒ وغیرہ حضرات نے لگائی ہیں اور علماء نے ان کو قبول کیا ہے۔

تاہم جہاں تک تیسری شرط کا تعلق ہے کہ شدید ضعف نہ ہو تو متقدمین اور متأخرین علماء کا عمل اس شرط کے خلاف ہے، نیز بعض علماء نے یہ شرط قبول بھی کی ہے اور عمل اس کے خلاف ظاہر کیا ہے، چنانچہ شیخ عوامہ صاحب نے بڑی تعداد میں محدثین کا عمل اس کے خلاف نقل فرمایا ہے اور مثالیں بھی پیش کی ہیں، تفصیل کے لیے شیخ عوامہ صاحب کی کتاب ”حکم العمل بالحدیث الضعیف“ (از ص۸۰تا۱۰۲) انتہائی مفید ہے۔تقریباً ۴۰ ائمہ ومحدثین کی آراء نقل کی ہیں کہ ان کے نزدیک جب تک حدیث موضوع نہ ہو عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

بلکہ علامہ ابن تیمیہؒ کی "الکلم الطیب" میں ۵/ احادیث موضوع ہیں، ۸/ احادیث میں شدید ضعف ہے اور ۱۴/ احادیث ضعیف ہیں۔ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں کذاب راوی کی روایت لی ہے۔ ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں شدید ضعف والی روایات نقل کی ہیں۔ امام ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں شدید ضعف والی روایات نقل کی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتاب "الکبائر" میں حدیث "الجنة تحت أقدام الأمهات" نقل کی، اس کی سند میں کذاب اور متہم بالوضع راوی ہیں۔ وغیرہ۔

والشرط السادس: ...فهذا شرط ما سبق به الحافظ، ولا توبع عليه، وهو مخالف للعموميات التي في أقوال المتقدمين والمتأخرين، وواقعهم العملي... الخ. (حكم العمل بالحديث الضعيف، ص۱۰۸).

شیخ محمد عوامہ چھٹی شرط کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عمل کرنے والا لوگوں کے سامنے عمل ظاہر نہ کرے، یہ شرط حافظ ابن حجرؒ نے بیان کی ہے ان سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی اور نہ بعد میں کسی نے اس کو تسلیم کیا، اور متقدمین ومتأخرین علماء کے اقوال واعمال کے بالکل مخالف ہے، لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

شیخ عوامہ صاحب ساتویں شرط کے بارے میں فرماتے ہیں: **أما الشرط السابع: أن لا يعتقد العامل به سنيته: فلا أعلم من قاله، وهو قول غريب، ولقائل أن يقول: ما وجهة هذا القول؟ ولماذا أعمل عملاً لا أرجو ثواب عمله أو ثواب تركه؟ وهذا كاف في رده. وكيف أعمل عملاً من مسنونات الصلاة، أو اجتنب مكروهاً من مكروهاتها، و دليله ضعيف، وأنا لا اعتقد سنيته أو لا اعتقد كراهيته؟!** (حكم العمل

بالحدیث الضعیف، ص ۱۰۹).

خلاصہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس سے موعود ثواب کی امید رکھے یا موجود کراہت سے بچے، اگر یہ بات عمل کرنے والے کے سامنے نہ ہو تو عمل کا کیا مطلب؟ استحباب اور کراہت بھی تو احکامِ شریعت میں سے ہیں، لیکن مراتب مختلف ہیں۔ لہذا یہ شرط بھی قابل تسلیم نہیں ہے۔

ضعیف حدیث بیان کرتے وقت ضعف کی تصریح کا حکم:

ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو تو ضعف کو بیان کیے بغیر اس کی روایت اور اس کی اسانید کے حق میں تساہل دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

(الف) عقائد مثلاً: صفاتِ باری تعالیٰ سے اس کا تعلق نہ ہو۔

(ب) حلال وحرام سے متعلق نہ ہو۔ یعنی مواعظ، ترغیب وترہیب اور قصص وغیرہ سے اس کا تعلق ہو۔ اور اگر موضوع ہو تو وضع کی تصریح کے بغیر اس کی روایت جائز نہیں۔ اس کا لحاظ رہنا چاہیے کہ ''ضعیف حدیث'' کو اگر سند کے بغیر روایت کیا جائے تو یوں نہ کہنا چاہیے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' بلکہ احتیاطی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں، مثلاً: عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کذا، أو بلغنا عنه کذا، (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے یا ہم کو آپ سے یہ بات پہنچی ہے)۔ (علوم الحدیث، ص ۱۲۶، ط: مجلس نشریاتِ اسلام)۔

إيقاظ الهمم میں ہے:

قال بعض أصحاب التحقيق فی رسالة له فی علم أصول الحديث فی تحقيق الحديث الضعيف انه يجوز عند العلماء التساهل فی رواية الضعيف دون الموضوع بان لم يبين ضعفه فی المواعظ و القصص و فضائل الاعمال لافی صفات اللّٰہ تعالی و احكام الحرام و الحلال .

(ايقاظ الهمم ١/٦٣)

قال ابن الصلاح : يجوز عند أهل الحديث و غيرهم التساهل فی الأسانيد و رواية ما سوى الموضوع من أنواع الحديث الضعيفة من غير اهتمام ببيان ضعفها فيما سوى صفات اللّٰہ تعالی و الأحكام الشرعية من الحلال و الحرام و غيرهما و ذلک كالمواعظ و القصص و فضائل الأعمال و سائر فنون الترغيب و الترهيب، و سائر ما لا تعلق له بالأحكام و العقائد ممن روينا عنه التنصيص على التساهل فی نحو ذلک عبد الرحمن بن مهدی و أحمد بن حنبل رحمهما اللّٰہ .

إذا أردت رواية الحديث الضعيف بغير إسناد فلا تقل فيه: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم كذا و كذا، و ما أشبه هذا من الألفاظ الجازمة بأنه صلی اللّٰہ عليه وسلم قال ذلک، و إنما تقول فيه: روى عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم كذا و كذا، أو بلغنا عنه كذا و كذا أو ورد عنه ، أو جاء عنه ، أو روى بعضهم، و ما أشبه ذلک . (مقدمه ابن الصلاح ص١٠٢-١٠٣،ط : دارالفكر، بيروت)

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر ایسی ضعیف حدیث کو بغیر سند بیان کیا جائے تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہنا چاہئے بلکہ ایک روایت میں آیا ہے کہنا چاہئے۔

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: وأما الضعيف فتجوز روايته بلا بيان ضعفه لكن إذا أردت روايته بغير إسناد فلا تقل قال رسول اللّٰه كذا وما أشبهه من صيغ الجزم بل قل روي كذا وبلغنا كذا وما أشبهه من صيغ التمريض وكذا ما شك في صحته وضعفه كما في التقريب . (فتاوی الشامي: ۱/ ۱۲۸،تحت ادلة الوضو،سعيد).

شیخ محمد عوامہ صاحب حفظہ اللہ نے اس موضوع پر مفید بحث فرمائی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک حدیث ضعیف فضائل میں ہو تو اس کا ضعف یا صیغہ تمریض سے بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ قال: انه لا يحتاج الى بيان ضعف الضعيف ما دام في بابه ... (حكم العمل بالحديث الضعيف،ص ۲۲۹). وقال أيضاً : ثالث الملاحظات: هل يجب على العالم أن يقرن ذكر الحديث الضعيف ببيان ضعفه، كما هو الواجب عليه حال ذكره حديثاً موضوعاً؟ وجوابه من كلام علمائنا السابقين ومن واقعهم : أنه لا يجب . (حكم العمل بالحديث الضعيف،ص ۲۳۷).

شیخ محمد عوامہ صاحب نے ضعیف حدیث کو "روی" (یعنی صیغہ تمریض) سے بیان کرنے کے بارے میں تحقیقی بحث فرمائی ہے۔مختصر خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:

لكن يشكل عليه [ابن الصلاح] رحمه اللّٰه أنه في آخر المسألة السادسة من مسائل الحديث الصحيح ذكر أن (رُوی): "تستعمل في

الـحـديث الضعيف أيضاً " فأفاد أنها تستعمل فى الصحيح و الضعيف ، فقصره لها هنا على الضعيف ونحوه فيه وقفة ، و اللّٰه أعلم ...

ويتبـع هذا المبحث بيان آخر لتصحيح شائعة أخرى، هى: جعل ''رُوى'' عـلامة دائـمة عـلـى ضـعف الـحديث، وفي هذا (الجعل) خطأ كبير، يحتاج إلى تمهيد ، فأقول:...

إن استـعـمال ''رُوى'' فيما هو ضعيف، عرف طارئ ومتأخر، ... أمـا ائـمتنا المتقدمون فلا يعرفون هذا الحصر، ومن المشهور في بحث معلقات الإمام البخارى في صحيحه أنه يصدر بعض معلقاته بصيغة غير الـجـزم وهـي صـحيحة أو حسنة، وقد ذكر الحافظ فى''النكت''مثالين ... أمـا تـلـميـذه الإمـام الترمـذى: فهـذا أمر ظاهر بكثرة كلامه عقب الأحـاديث، يشير إلى أحاديث الباب وغيرها بكلمة: رُوى، وكثير منها صحيح، دون صحيح .

بعد ازاں شیخ محمد عوامہ صاحب نے ترمذی شریف میں سے چند مثالیں پیش فرمائی ہیں، اور بتایا کہ ہمیشہ رُوی کو ضعیف حدیث کے لیے استعمال کرنے میں فاحش خطا کا اندیشہ ہے جیسا کہ شیخ البانی صاحب کو امام ترمذی اور امام شافعیؒ کے کلام سے ہوا۔ بیس رکعت تراویح والی روایت کو فقط امام ترمذیؒ کے رُوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

إن الشيخ ناصراً الألباني ادعى في كتابه''صلاة التراويح ''ضعف حـديـث البيهقى الذى فيه أمرُ عمرَ ﷺ بـإقـامة صلاة التراويح بعشرين

ركعة ولم يصب أبداً في بحثه كله ، ومما ادعى فيه: أن الإمام الترمذى أشار إليه وضَعَّفه ، بناء على أن رُوى دائماً تستعمل للتضعيف...وأما قول الشافعيؒ ففي مختصر المزنى:...وأحب ألي عشرون، لأنه رُوى عن عمرؓ، وكذلک يقومون بمكة ويوترون بثلاث. (ص:۲۳۴)

بحث کے آخر میں نصیحت کے انداز میں فرماتے ہیں کہ ہمیشہ علم وعمل کی راہ میں جمہور کے نقش قدم پر گامزن رہنا چاہیے۔اور پگ ڈنڈیوں سے بچنا چاہیے۔

ہاں اگر عالم ضعیف حدیث کے ضعف کو بیان کرنے میں سامعین کا فائدہ دیکھے تو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ،لیکن کبھی حکمت یا مصلحت کی وجہ سے ضعف کو بیان نہ کرے کہ اس میں عمل کی طرف زیادہ رغبت ہوتی ہے اور خیر کی طرف لوگوں کی طلب زیادہ رہتی ہے تو نہ بیان کرے۔ ہمارے سلف اور اکابر علماء نے دونوں پر عمل کرنے کا راستہ ہموار کردیا ہے۔

قال : وأوصى أخى الطالب العلم: أن يكون دائماً في توجهه العلمي والعملي مع التوجه العلمى والعملى لجمهور علماء المسلمين وإياه وبُنَيَّاتِ الطريق .

وإتماماً لهذا الجواب أقول:لا أحد ينكر أن بيان ضعف الضعيف فيه زيادة علم ، ولكن الأمر تابع فيما أرى لحكمة العالم المؤلف أو المتحدث على الناس ، فإن كان يرى الحكمة وتحقيق المراد ببيان ضعف الضعيف بين ، وإن كان يرى سكوته عن بيانه أوعن العمل به، وفيه فائدة ، سلوكية اجتماعية ، وما إلى ذلک من وجوه الخير، سكت

عن البيان .

وقد جمع بعض ائمتنا بين الحسنيين : بيان ضعف الضعيف ، والسكوت عن بيانه ،كالإمام المنذري في"الترغيب"، وصاحبه الدمياطي في"المتجر الرابح" فقد اصطلح كل منهما اصطلاحاً أشار إليه به إلى ضعف الحديث ، فطالب العلم يزداد فائدة ، وغيره يعمل به، ولا يصده عن العمل به ، فجمعا بين زيادة العلم، والترغيب في العمل.

(حكم العمل بالحديث الضعيف،ص۲۳۷).

مطلقاً ضعیف حدیث کو نہ ماننے والوں کے اقوال کا جائزہ:

بعض حضرات نے مطلقاً ضعیف حدیث کو ماننے سے انکار کردیا ہے۔شیخ محمد عوامہ صاحب نے ان کی عبارات نقل کرنے کے بعد کافی شافی جوابات دیے ہیں،چنانچہ شیخ کی کتاب" حکم العمل بالحدیث الضعیف "سے سوالات وجوابات کونقل کیا جاتا ہے۔ملاحظہ کیجیے:

۱۔ الإمام الشوكاني قال: في الفوائد المجموعة (۲۸۳/۱): إن الأحكام الشرعية متساوية الأقدام، لا فرق بينها فلا يحل إثبات شيء منها إلا بما تقوم به الحجة ، وإلا كان من التقول على الله بما لم يقل ،

وفيه من العقوبة ما هو معروف .

قال الشيخ عوامة: وجوابه أن المحدثين قائلون بالجواز أو الاستحباب، أي: بالتخيير بين الفعل والترک ، وغاية ما هنالک عندهم أن التارک فوت على نفسه فضيلة، وما أحد منهم قال بالإثبات، أي: بالوجوب، حتى يطالب بالدليل الصحيح أو الحسن، وهذا واضح من تمييزهم بين الأحكام والفضائل .

وبما أن الأحاديث الضعيفة الواردة فی الفضائل كثيرة العدد، فإنا نحرص على العمل بها حرصاً على أن لا يفوتنا الثواب الكريم إن شاء اللّٰه تعالى .

شیخ نے مزید ارشاد الفحول اور نیل الاوطار سے عبارات نقل فرما کران کا جواب دیا ہے۔ملاحظہ ہو: (حکم العمل بالحدیث الضعیف،ص ۱۳۹ ـ ۱۴۶).

۲ـ صديق حسن خان قال في نزل الأبرار (۷): تساهل العلماء وتسامحوا حتى استحبوا العمل فی الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ، ما لم يكن موضوعاً ، وإلى هذا ذهب الجمهور، وبه قال النووی، وإليه نحا السخاوی وغيره، ولكن الصواب الذي لا محيص عنه أن الأحكام الشرعية متساوية الأقدام، فلا ينبغي العمل بحديث حتى يصح أو يحسن لذاته أو لغيره أو انجبر ضعفه فترقى إلى درجة الحسن لذاته أو لغيره .

قال الشيخ محمد عوامة: ...ومعلوم من عبارات العلماء أن

مقابل الصواب الذى لا محيص عنه، هو الخطأ المحض الذى لايقبل معه اعتذار أو تأويل، وبالتالي: فهو ينسب هذا الخطأ المحض إلى العلماء كافة !! مع أنه في درجة من الجهل لا يستطيع أن يعبر تعبيراً سليماً . (ص١٤٧).

٣ـ الشيخ محمد طاهر الجزائري قال في توجيه النظر (٢/٢٥٣) ذهب قوم إلى جواز الأخذ بالضعيف والتساهل في أسانيده... نقل ذلک عن ابن مهدي وأحمد وذكر قولهما، ثم ذكر الشروط الثلاثة ، وثالثها: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاحتياط....ومن نظر في الأحاديث الضعيفة نظر إمعان وتدبر تبين له أنها إلا القليل منها يغلب على الظن أنها غير ثابتة في نفس الأمر، يريد غير ثابتة بشواهدها العامة .

قال الشيخ عوامة: إن الأمر على خلاف هذا، ومن ينظر في الكتب الكثيرة التي نقلت عنها أو أشرت إليها و خاصة منها كتاب الإمام المنذري ير الشيء الكثير من ذلک، أما من ينظر في موضوعات ابن الجوزي أو العلل الواهية له فنعم سيرى القارئ أن الكثير منها غير ثابت .

٤ـ الشيخ أحمد محمد شاكر في الباعث الحثيث (٨٥): إنه لا فرق بين الأحكام وبين فضائل الأعمال ونحوها في عدم الأخذ بالرواية الضعيفة بل لا حجة لأحد إلا بما صح عن رسول الله صلى الله عليه

وسلم من حديث صحيح أو حسن .

قال الشيخ عوامة: إنه يكفي في رده أنه قول ما قيل من قبل أحد من أئمتنا السابقين، والمحدثون والفقهاء وجل الأصوليين على التفرقة بين ما يترتب على الأحكام وبين ما يترتب على الفضائل. أما قوله: ولا حجة لأحد إلا بما صح: فهذا صحيح في ذاته وليس صحيحاً هنا، إذ الحجة بمعنى اللزوم والوجوب: نعم، لا حجة ولا لزوم ولا وجوب إلا بما صح، أما على سبيل الاحتياط أو التخيير فلا ، وحينما نجزم بوضع الحديث أو نكارة معناه أو خطأ راويه في لفظة مثلاً وجب علينا بيانه بل وجب الإعراض عنه كلياً بأي وسيلة إلا لبيان ما فيه، أما والأمر على احتمال صحة سنده أو صحة معناه من شواهده الخارجية فلا ، وقد كان في أئمتنا أئمة العلم والدين من الغيرة على شريعة الله عامة، وعلى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم خاصة ، أكثر مما نحن عليه، رحمهم الله تعالى وجزاهم خيراً وكان من غيرتهم على الشريعة أن لا يسقطوا الحديث الضعيف المحتمل الصحة لئلا يخرجوا معناه عن دائرة الشرع .

٥ـ الشيخ ناصر الدين الألباني في مقدمة سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة (٤٧) وغيرها: من المصائب العظمى التي نزلت بالمسلمين منذ العصور الأولى انتشار الأحاديث الضعيفة والموضوعة بينهم، لا أستثني أحداً منهم ولو كانوا علمائهم إلا من شاء الله منهم من

أئمة الحديث ونقاده، كالبخاري وأحمد وابن معين وأبي حاتم الرازي وغيرهم وقد أدى انتشارها إلى مفاسد كثيرة منها ما هو من الأمور الاعتقادية الغيبية ومنها ما هو من الأمور التشريعية .

قال الشيخ عوامة : إن انتشار المفاسد العقدية والتشريعية ليس من رواية الأئمة المتقدمين للأحاديث الضعيفة في كتبهم المسندة ولا من روايتهم في كتبهم العامة المصنفة في الرقاق والترغيب والترهيب إنما هو من سوء التطبيق العملي لقولهم: يعمل بالضعيف في فضائل الأعمال، وكما أنا نرى أحياناً سوءاً في التطبيق العملي ممن يقرأ القرآن الكريم أو صحيح البخاري أو صحيح مسلم مثلاً فيفهم الآية الكريمة أو الحديث الصحيح على غير وجهه فلا يجوز لنا أن ننهى الناس عن قراءة القرآن أو الحديث الصحيح إنما نوجههم إلى فهمه على يد عالم بصير .

بعض علماء کی طرف منسوب اقوال کی تحقیق:

بعض حضراتِ علماء کی طرف یہ منسوب ہے کہ انھوں نے ضعیف حدیث کو مطلقاً قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ ذیل میں ان کی طرف منسوب عبارات کے ساتھ ان کے مذہب کی وضاحت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی کتاب ''حکم العمل بالحديث الضعيف'' سے ملاحظہ کیجیے:

١ـ الإمام يحيى بن معين؛ فقد نسب إليه هذا القول في عدد من كتب الحديث نقلاً عن مقدمة عيون الأثر لابن سيد الناس (١/٢٤):

سمح كثير من الناس في حمله عمن لا تحمل عنه الأحكام، وممن حكي عنه الترخص في ذلك الإمام أحمد وممن حكي عنه التسوية في ذلك بين الأحكام وغيرها يحيى بن معين .

قال الشيخ عوامة بعد ذكر عبارة عيون الأثر: هذا ما جاء في عيون الأثر بتمامه في طبعيته ، ونسخة خطية منه، جاء أولا نقل عن ابن معين فيه شيء من الغموض (حكي عنه التسوية في ذلك بين الأحكام وغيرها) ثم جاء بعد أسطر شيء من توضيحه (التسوية بين المرويات من الأحكام وغيرها، والقبول مطلقاً أو عدمه، من غير تفصيل). ومعناه أن ابن معين لا يفرق بين الأحكام والفضائل، والأمر تابع لنظره في الراوي إما مقبول أو مردود،.... فأين النقل الصريح عن ابن معين في منع العمل بالضعيف مطلقاً .

ثم قال بعد ذلك: النصوص عن ابن معين كثيرة وهي مؤيدة لهذا التفرقة منه، من ذلك قوله الذي قدمته عن زياد البكائي: ليس بشيء وقد كتبت عنه المغازي وقال عنه (٣٤٨) أيضاً: لا بأس به في المغازي وأما في غيره فلا . وقال في بكر بن خنيس: شيخ صالح لا بأس به إلا أنه يروي عن ضعفاء ويكتب حديثه في الرقاق كما في ترجمته عند الخطيب (٥٧٣/٧). ومثل هذا ونحوه كثير أحيل إلى بعضه

ترجمة إدريس بن سنان عند ابن عدي وموسى بن عبيدة الربذي عند العقيلي وأبي معشر نجيح بن عبد الرحمن السندى عند المزي وغيرهم . وأمام هذه الأقوال الصريحة من ابن معين في دلالتها على المراد فإن كلام ابن سيد الناس يبقى في محل نظر والتوقف، مهما كان معناه غامضاً أو واضحاً .

٢- الإمام أحمد بن حنبل فهم من بعض مواقفه أنه لا يعمل بالضعيف، وذلك كما جاء في شرح الكوكب المنير للفتوحي (٥٦٩/٢) يعمل بالحديث الضعيف في الفضائل، عند الإمام أحمد والموفق والأكثر، وعن أحمد رواية أخرى لا يعمل به، ولهذا لم يستحب صلاة التسبيح، لضعف خبرها عنده، مع أنه خبر مشهور عمل به، وصححه غير واحد من الأئمة ، ولم يستحب أيضاً التيمم بضربتين على الصحيح عنه مع أن فيه أخباراً وآثاراً، وغير ذلك من مسائل الفروع .

قال الشيخ عوامة: الأمر كما قال في صلاة التسبيح لم يستحبها، وعدم استحبابه لها يحتمل والله أعلم لما فيه من زيادة على هيئة النافلة المعهودة، مع ضعف سندها، ولو لا هذه الزيادة لأباحها .

وأما الاقتصار في التيمم على ضربة واحدة فهذا وقوف منه عند حديث عمار بن ياسر رضي الله عنهما: أن التيمم ضربة للوجه والكفين، وحديث أن التيمم ضربتين ثبت من فعل ابن عمر، ولم يصح

عنه مرفوعاً.

على أن عبارة الفتوحي كما نقلتها لم يستحب صلاة التسبيح، ولم يستحب التيمم بضربتين، والاستحباب شيء والجواز شيء فهل يمنع الإمام أحمد صلاة التسبيح لمجرد ضعف إسنادها عنده فقط؟ وهل يمنع التيمم بضربتين؟ الجواب:قال الموفق ابن قدامة في شرحه المغني (١/٢٤٥) المسنون عند أحمد التيمم بضربة واحدة، فإن تيمم بضربتين جاز. وقال أيضاً في المغني(١/٤٦٨) فأما صلاة التسبيح فإنه قال ما تعجبني قيل له لم؟ قال ليس فيها شيء يصح، ونفض يده كالمنكر ثم ذكر الموفق الحديث فيها بطوله وقال آخره: لم يثبت أحمد المروي فيها ولم يرها مستحبة وإن فعلها إنسان فلا بأس، فإن النوافل والفضائل لا يشترط صحة الحديث فيها .

ولا بد من تأويل لهذا الإنكار، ليتلاءم آخر كلام مع أوله، وليتلاءم مع خطه العام وموقفه من أحاديث الفضائل، ولعل ما ذكرته يكون مناسباً ، وهو ما فيها من الزيادة على الهيئة المعهودة في الصلوات .

٣ـ الإمام البخاري: استظهر هذا المذهب له القاسمي (قواعد التحديث ١١٢) وجزم به الكوثري (المقالات،٥٤) والألباني (سلسلة الضعيفة ٤٧) وتوبعوا، ونسبة هذا المذهب إليه نسبة غريبة جدا من القاسمي والكوثري لكنها من الألباني أغرب ذلك أن القاسمي والكوثري ليس

لهما موقف أخر مع البخاري، أما الألباني فدعواه على البخاري أغرب وأغرب، لأنه هو الذي عمل ضعيف الأدب المفرد وذكر فيه ٢١٥ حديثاً وأثراً فكيف يلتقي هذا العمل مع تلك النسبة .

وقد أطال شيخنا رحمه الله وأطاب في تجلية مذهب البخاري في هذه المسألة وذلك في تعليقه على ظفر الأماني (١٨٢) للكنوي رحمه الله.

٣ـ الإمام مسلم: لم ينقل عن الإمام قول أو فعل صريح في الإثبات أو النفي، والشيخ جمال الدين القاسمي استظهر أن يكون مذهب مسلم مذهب البخاري، لكلامه الشديد على من يروي الأحاديث الضعيفة المنكرة ، وسبق القاسميَّ إمام هو الحافظ ابن رجب فاستظهر أن يكون مسلم على هذا القول إذ قال في شرح العلل (١/٧٤) ظاهر ما ذكره مسلم في مقدمة كتابه يقتضي أنه لا تروى أحاديث الترغيب والترهيب إلا عمن تروى عنه الأحكام .

قال الشيخ عوامة: أرجو من كل قارئ كريم منصف أن يبدىء ويعيد قراءة كلام الإمام مسلم الذي قاله في رواية الأحاديث الضعيفة ، وهي تبدأ من السطر الرابع صفحة ٨ من مقدمته، وتنتهي بالسطر السادس من الصفحة ٩، هل تراه يذكر الحديث الضعيف وحده مرة واحدة ليس معه كلمة منكر و مستنكر و نحوهما ؟ و على هذا فلو وجدنا بعض كلمات للإمام مسلم فيها إطلاق الضعف للزم تفسيرها

بالضعيف المستنكر لا مطلق الضعف ، يريد ما أنكر معناه فهذا هو الذي يرده الإمام مسلم سواء كانت هذه النكارة من راو لين أو متوسط الضعف أو شديد الضعف والله أعلم .

٥ـ الإمام محمد بن يحيى الذهلي: أسند إليه الخطيب في الكفاية (٢٠) قوله: لا يكتب الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يرويه ثقة، حتى يتناهى الخبر إلى النبي صلى الله علهه وسلم بهذه الصفة ، ولا يكون فيهم رجل مجهول ولا رجل مجروح فإذا ثبت الخبر عن النبي صلى الله عليه وسلم بهذه الصفة وجب قبول العمل به وترك مخالفته .

قال الشيخ عوامة: ففهم منه بعض الباحثين أنه لا يجيز العمل بالضعيف مطلقاً، لا بالأحكام ولا بالفضائل وهو فهم خاطئ ناشئ عن عدم التفرقة بين قول علمائنا : يجب العمل ويجوز العمل ، فقول أبي زكريا الذهلي: وجب العمل به أي صار العمل به واجباً أو فرضاً لا جائزاً فهل من علمائنا من يقول: يجوز العمل بالصحيح الذي استوفى شروط الصحة أو يقول جميعهم العمل به واجب ؟

٦ـ٧ـ٨ـ الرازيون الثلاثة: أبو زرعة، أبو حاتم ، وابنه: استدل من نسب إليهم القول بعدم العمل بالضعيف مطلقاً بقول ابن أبي حاتم في آخر مقدمته لكتابه المراسيل (١٥) سمعت أبي وأبا زرعة يقولان: لا يحتج بالمراسيل ولا تقوم الحجة إلا بالأسانيد الصحاح المتصلة

وكذا أقول أنا .

قال الشيخ عوامة: وهذه النسبة إلى هؤلاء الأئمة مثل سابقها، يتعجب من قائلها كيف لا يفرق بين الحجة التي توجب العمل ، وعدم الحجية التي لا توجب العمل؟ فهم يقولون لا يحتج بالمراسيل أي لا يجب العمل بها لا أكثر ولا أقل أما جواز العمل بها واستحبابها فأمر مسكوت عنه عندهم.

٩ـ أبو حاتم ابن حبان: احتج بقوله في كتابه المجروحين (١/٣٢٧) في ترجمة سعيد بن زياد بن فائد الدارمي وذكر أنه يروي نسخة عن أبيه عن جده وقال: لا أدري البلية فيها منه ، أو من أبيه أو من جده لأن أباه وجده لا يعرف لهما رواية إلا من حديث سعيد ، والشيخ أي الراوي إذا لم يرو عنه ثقة فهو مجهول لا يجوز الاحتجاج به، لأن رواية الضعيف لا تخرج من ليس بعدل عن حد المجهولين إلى جملة أهل العدالة كأن ما روى الضعيف وما لم يرو في الحكم سيان.

قال الشيخ عوامة: والمرجو هنا توضيح وجه المناسبة بين هذا القول والمسألة التي نحن فيها: جواز العمل بالحديث الضعيف في الفضائل . فنسبة القول بعدم العمل بالضعيف إلى ابن حبان نسبة غير صحيحة أبدا، والدليل على ذلك عدم وجود نقل عنه دال على ذلك، بل الدليل الصريح على خلافه. فابن حبان هو صاحب كتاب روضة العقلاء ونزهة الفضلاء وهو كتاب واضح من عنوانه ومن كل

صفحاته أنه في الفضائل الأخلاقية والآداب الاجتماعية، وعادته فيه أن يصدر الباب بحديث شريف ثم يتبعه بأقوال العلماء وشعر الأدباء. ولا ريب أنه كان يتحرى الصحاح، إذا وضح منها المراد المناسب للباب فإذا لم يجد نزل إلى الضعاف.

١٠ـ الإمام أبو سليمان الخطابي نسب إليه هذا المذهب اعتماداً على كلام طويل قاله في مقدمة كتابه معالم السنن (١/٣) وهو كلام لا يمت إلى ما نحن بسبيله أبداً، ولو لا طوله لنقلته. وأما ذكره للحديث الضعيف والمنقطع فإنما جاء في عتبه على الفقهاء الذين يقبلونها إذا كان مما اعتمد عندهم في كتبهم، وليس مراده رده مطلقا، إنما أراد حالاً خاصة من تعاملهم بالضعاف. وأقول إن فيها استعجالاً وعدم نظر في كتبه الأخرى، لكشف الحقيقة أكثر وأكثر، وهاهنا كذلك ينبغي النظر في كتب الخطابي الأخرى. منها كتابه المشهور العزلة فإنه جرى فيه على سنن العلماء الآخرين. ومنها كتابه الذي سماه الحافظ ابن ناصر الدين الدمشقي في مجالسه في تفسير قول الله تعالى لقد من الله على المؤمنين (١٥٩) الدعاء ومعاني أسماء الله تعالى، وطبع باسم شأن الدعاء وينظر على سبيل المثال من هذا الكتاب الأحاديث: (١١، ٨١، ١٠٨، ١١٤) وخلاصة ما يقال في حق الإمام الخطابي أن قوله الذي نقل عنه لا يفيد شيئاً مما فهم عنه، وأن واقعه في كتبه الأخرى على خلاف ذلك .

١١ـ الإمام أبو محمد ابن حزم نسب إليه القاسمي و الكوثري هذا المذهب، ونقل القاسمي عنه كلاماً قاله في الفِصَل: خامساً: شيء نقل كما ذكرنا إما بنقل أهل المشرق و المغرب أو كافة عن كافة أو ثقة عن ثقة حتى يبلغ إلى النبي صلى الله عليه وسلم إلا أن في الطريق رجلاً مجروحاً بكذب أو غفلة أو مجهول الحال فهذا أيضاً يقول به بعض المسلمين و لا يحل عندنا القول به .

قال الشيخ عوامة : فقد تمسك به بعضهم على أن ابن حزم لا يجيز العمل بالضعيف وهو محتمل و لا أرى فيه مجالا للجزم، ذلك أنه قاله في سياق مصادر الدين و الأصل فيه أن يراد به أحكامه الأصلية، لا فرعياته من المستحبات و الكمالات و الفضائل، فلا يناهض هذا النص المحتمل قوله الذي قدمته من المحلى (١٤٨/٤) في دعاء القنوت: القنوت ذكر الله و دعاء فنحن نحبه و هذا الأثر: أللهم اهدني فيمن هديت، وإن لم يكن مما يحتج به فلم نجد فيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم غيره، وقد قال أحمد بن حنبل رحمه الله: ضعيف الحديث أحب إلينا من الرأي، قال علي (هو ابن حزم) وبهذا نقول .

١٢ـ الإمام أبو بكر ابن العربي قال في شرح المختصر على المؤطأ المسمى بـ "القبس" (٣٣٨/١) : باب سترة أي السترة بين يدي المصلي من أجل المارة أمامه، فيه أحاديث كثيرة، منها حديث أبي هريرة رضي الله عنه إذا صلى أحدكم فليجعل بين يديه ما يستره ، و قال: قال قوم

رأسهم أحمد أي قال قوم بمقتضى هذا الحديث وعلى رأسهم الإمام أحمد ثم قال وهذا الحديث لو صح لقلنا به إلا أنه معلول فلا معنى للنصب فيه. وقال بعده مباشرة مع التعليق(١/ ٣٤١) قال لي أبو الوفاء علي بن عقيل وأبو سعيد البرداني شيخا مذهب أحمد: كان أحمد يرى أن ضعيف الأثر خير من قوي النظر وهذه وهلة لا تليق بمنصبه الرفيع، لأن ضعيف الأثر كالعدم لا يوجب حكما والنظر أصل من أصول الشريعة عليه عول السلف ومنه قامت الأحكام، وبه فصل بين الحلال والحرام. ونقله أبو شامة في كتاب الجهر بالبسملة (٥٣٦) وعنه الزركشي في النكت (٣/٨٨٤) لكن لفظ ابن العربي عنده في استدراكه على أحمد هو: ضعيف الأثر لا يحتج به مطلقاً، والمعنى واحد .

وقال في شرحه الكبير على المؤطأ المسمى المسالك في شرح مؤطأ مالك (٣/٤٨٧) لا تشتغلوا من الحديث بشيء إلا بالصحيح منه، وقال نحوه في أحكام القرآن (٢/٧٨) عنه كلامه على آية الوضوء في سورة المائدة : لا تشتغلوا من الأحاديث بما لا يصح سنده .

قال الشيخ عوامة: فهذه أربعة نقول عن ابن العربي لكن لا بد لفهمها على وجه صحيح سليم أن تقرأ بتأمل مع نقول أخرى عنه فمنها: قوله في عارضة الأحوذي (٥/٢٠٢) في سياق كلامه على الإمام الحارث المحاسبي المتوفى سنة ٢٤٣، الذي وصفه الحافظ ابن حجر في النكت على ابن الصلاح (٢/٥٨٤) بأنه من أئمة الحديث والكلام،

قال ابن العربي: الذي عندي في ذلك والله أعلم، ما رويناه عن أحمد بن حنبل يستجيز لين الحديث في الورع، ورضي الله عن البخاري الذي لم ير أن يتعلق القلب ولم يرتبط الدين إلا بالصحيح، وبه نقول، ولو ملنا إلى مذهب أحمد فلا يكون التعلق بلين الحديث إلا في المواعظ التي ترقق القلوب، فأما في الأصول فلا سبيل إلى ذلك.

ومنها قوله في العارضة (١٠/٢٠٥) في شرح حديث الترمذي: يشمت العاطس ثلاثاً، وقال فيه حديث غريب وإسناده مجهول، قال ابن العربي وهو وإن كان مجهولاً فإنه يستحب العمل به لأنه دعاء بخير وصلة للجليس وتودد له. ونقله الحافظ في الفتح (١٠/٦٠٢) وزاد في آخره زيادة ظاهرها من كلام ابن العربي قال: فالأولى العمل بها .

قال الشيخ عوامة: هذا النقل مدخول إما في سياقه وموقع كلامه وإما في دقته. وأريد بالاحتمال الأول أن ابن العربي قال هذا القول في حديث ضعيف جدا ، منكر، فجاء النقل عنه مبتوراً عن سياقه وسباقه. وأريد بالاحتمال الثاني أن ابن العربي قال ضعيف الأثر لا يحتج به مطلقاً، فنقله ناقل: ضعيف الأثر لا يعمل به مطلقاً وفرق كبير بين لا يعمل به ولا يحتج به ، فهذا اللفظ الثاني معناه لا يجب العمل به أما الجواز فشيء آخر وأما قولهم لا يعمل به ففيه نفي العمل به على سبيل الجواز والاستحباب والوجوب .

وعلى هذا فكلام ابن العربي لا يفيد شيئاً في موضوع بحثنا، لا

سيما مع ما نقلته عنه من الكلام الصريح في العمل بالضعيف .

١٣ـ الإمام أبو شامة المقدسي واستدل بقوله في كتابه الباعث على إنكار البدع والحوادث (٥٥) وهو يتحدث عن الصيام في رجب، كنت أود أن الحافظ لم يقل ذلك فإن فيه تقريراً لما فيه من الأحاديث المنكرة،فقدره أكبر من أن يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بحديث يرى أنه كذب ولكنه جرى فيه على عادة جماعة من أهل الحديث، يتساهلون في أحاديث فضائل الأعمال، وهذا عند المحققين من أهل الحديث، وعند علماء الأصول والفقه خطأ، بل ينبغي أن يبين أمره إن علم وإلا دخل تحت الوعيد في قوله صلى الله عليه وسلم من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين .

قال الشيخ شبير أحمد العثماني في فتح الملهم(١/٥٧ ١): ليس في هذا الكلام الذي نقلته عن الإمام أبي شامة النكير على الأخذ بالضعيف في فضائل الأعمال، بل إنما أنكر رحمه الله على رواية ابن عساكر، وسرده الأحاديث المنكرة من غير بيان ضعفها ونكارتها، مع كونه محدثاً حافظاً جليل القدر، وخشي أن يأتي قوم لا رسوخ لهم في علم الحديث ، فيعتمدون على نقل ابن عساكر، ويعتقدون ثبوت هذه الأحاديث المنكرة الواهية، مع أنها لم يثبت عند المحدثين .

١٤ـ الإمام ابن تيمية رحمه الله ؛ قال: لايجوز أن يعتمد فى الشريعة على الأحاديث الضعيفة التي ليست صحيحة ولا حسنة الخ.

قال الشيخ عوامة: وخلاصته الأولى والأخيرة أن الأحاديث الضعيفة التي يعمل بها يشترط فيها: ١ـ أن تكون دالة على أعمال ثبتت مشروعيتها بأدلة أخرى كالتلاوة، والذكر، واجتناب الأعمال السيئة .

٢ ـ وهذا العمل بالضعيف يكون على سبيل الجواز والإباحة ، لا الاستحباب .

٣ـ وأن لا يكون ضعفه نازلاً به إلى درجة الموضوع .

٤ ـ وألحق بالضعاف التي يعمل بها: الإسرائيليات ، ومنامات الصالحين ، وكلمات السلف ، ووقائع العلماء ...

٥ ـ أما الأحاديث التي تضمنت تقديراً وتحديداً، مثل صلاة في وقت معين ، بقراءة معينة ، وعلى صفة معينة ، غير مشروعة بدليل ثابت: فلا يجوز العمل بالضعيف الدال عليها. ويمكن القول بناء على هذه الخلاصة: إن ابن تيمية رحمه الله معدود في مصاف العلماء القائلين بجواز العمل بالحديث الضعيف ولو اشتد ضعفه ، مالم يكن موضوعاً . (حكم العمل بالحديث الضعيف ،ص ٢١٢ـ ٢١٣).

١٥ـ الإمام الجلال الدواني رحمه الله قال في أنموذج العلوم وهو بطوله في الأجوبة الفاضلة (٥٦): اتفقوا على أن الحديث الضعيف لا تثبت به الأحكام الشرعية ، ثم ذكروا أن يجوز، بل يستحب العمل بالأحاديث الضعيفة في فضائل الأعمال وممن صرح به النووي في كتبه لا سيما الأذكار وفيه إشكال لأن جواز العمل واستحبابه كلاهما

من الأحكام الخمسة الشرعية، فإذا استحب العمل بمقتضى الحديث الضعيف، كان ثبوته بالحديث الضعيف، وذلك ينافي ما تقرر من عدم ثبوت الأحكام بالأحاديث الضعيفة .

قال الشيخ عوامة: إن الدواني نقل جواباً ورده ثم ذكر من عنده جواباً وناقشه، وقال آخر كلامه: وحاصل الجواب أن الجواز معلوم من خارج والاستحباب أيضاً معلوم من القواعد الشرعية الدالة على استحباب الاحتياط في أمر الدين، فلم يثبت شيء من الأحكام بالحديث الضعيف، بل أوقع الحديث الضعيف شبهة الاستحباب فصار الاحتياط أن يعمل به، واستحباب الاحتياط معلوم من قواعد الشرع. فهل يجوز أن ينسب إليه القول بعدم جواز واستحباب العمل بالضعيف مع هذه النتيجة .

وبعد: فهؤلاء خمسة عشر إماماً نسب إليهم القول بعدم جواز العمل بالحديث الضعيف وتبين من خلال دراسة أقوالهم عدم صحة هذه النسبة إليهم، وبقي من العشرين الذين ذكرت أسماؤهم خمسة: الشوكاني، وصديق حسن خان، وأحمد شاكر، والألباني، وطاهر الجزائري وتقدم الكلام أن هذه النسبة إليهم صحيحة إلا الشوكاني فقد اختلف النقل عنه، وإلا الجزائري فإنه ختم بحثه بجواز العمل بالضعيف بالشروط المعروفة .

اس مفصل بحث کے اخیر میں شیخ فرماتے ہیں: اس تحقیق اور تتبع کے بعد میں اپنی

پہلی بات کواور مؤکداور مضبوط کرتا ہوا اب پھر کہتا ہوں کہ کسی امام سے نقل صحیح ،صریح سے یہ بات ثابت نہیں کہ انھوں نے مطلقاً ضعیف حدیث پرعمل کرنے سے منع فرمایا ہو،

قال الشيخ محمد عوامة: وبعد هذا الاستعراض والاستقراء : أؤكد ما قلته أول كلامي، وأقوله آخر كلامي: إنه لايوجد نقل صحيح صريح عن إمام يقتدى به في هذا العلم الشريف، فيه منع العمل بالحديث الضعيف مطلقاً ، والله أعلم . (مأخوذ من حكم العمل بالحديث الضعيف، للشيخ محمد عوامة حفظه الله ورعاه ، ص ١٣٨ــ ٢٢٠).

ضعیف احادیث سے ثابت ہونے والے مستحبات کی چند مثالیں:

(۱) مؤذن کیلئے کلماتِ اذان ٹھیر ٹھیر کر کہنا مستحب ہے اور اقامت میں جلدی کہنا مستحب ہے اور جو روایت مستدل ہے وہ ضعیف ہے ملاحظہ ہو:

ذكر أصحابنا أنه يستحب للمؤذن أن يترسل في الأذان، ويحدر أى يسرع في الإقامة، واستدلوا له بحديث رواه الترمذى عن عبد المنعم بن نعيم عن يحيى بن مسلم عن الحسن وعطاء عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لبلال: يا بلال! إذا أذنتَ فترسل في أذانک، وإذا أقمت فاحدر، واجعل بين أذانک وإقامتک قدر ما يفرغ الآكل من أكله، والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته، ولا تقوموا حتى تروني. (سنن الترمذی:۱/۴۸)

قال الترمذی: هذا حديث لا نعرفه إلا من هذا الوجه، من حديث عبد المنعم، وهو إسناد مجهول.

وعبد المنعم هذا ليس له في جامع الترمذی إلا حديث واحد هذا، وقد ضعفه الدارقطني وجماعة أخرى.

وأخرجه الحاكم في مستدركه عن عمروبن فائد الاسوری، عن یحیی بن مسلم، بسنده السابق. ولیس فی إسناده مطعون غیر عمروبن فائد . لکن لما کان الحدیث الضعیف کافیاً فی فضائل الأعمال، حکموا باستحباب ذلک مع کونه مؤیداً بعمل الصحابة ومن بعدهم .

(ظفرالامانی ص۱۱۲)

(۲) مسح الرقبة گردن کا مسح کرنا مستحب ہے اور روایت ضعیف ہے:

ومن ذلک ایضا ما ذکره اصحابنا: انه یستحب فی الوضوء مسح الرقبة، واستدلوا بحدیث مروی فی ذلک، وان کان ضعیفا فروی أبوداود وأحمد من حدیث طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده قال: رأیت رسول الله ﷺ یمسح راسه مرة واحدة حتی بلغ القذال. ووقع فی سنن ابی داود تفسیره بأول القفا .

وروی الطحاوی فی شرح معانی الآثار حدثنا ابن مرزوق، قال: حدثنا عبد الصمد بن عبد الوارث، قال: ثنا ابی وحفص بن غیاث عن لیث عن طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده قال: رأیت رسول الله ﷺ مسح مقدم راسه حتی بلغ القذال من مقدم عنقه.

وروی ابوعلی بن سکن فی کتاب الحروف من حدیث مصرف بن عمروبن السری بن مصرف بن عمروبن کعب عن ابیه عن جده یبلغ به عمروبن کعب قال: رأیت رسول الله ﷺ توضأ فمسح لحیته وقفاه. وهذه الاحادیث ضعیفة لاجل مصرف بن عمرو......

وروی الدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث ابن عمر مرفوعا: مسح الرقبة امان من الغلّ یوم القیامة. قال العراقی فی تخریج احادیث الاحیاء : **هذا الحدیث ضعیف**. (ظفر الامانی ص۱۱۳)

قال الملا علی القاریؒ:

مسح الرقبة امان من الغلّ قال النووی فی شرح المهذب انه موضوع قلت: لکن رواه عبید القاسم بن عبد الرحمن عن موسی بن طلحة قال: من مسح قفاه مع راسه وقی عن الغل والحدیث موقوف الا انه فی الحکم مرفوع لان مثله لایقال بالرای ویقویه ما روی مرفوعا من مسند الفردوس من حدیث ابن عمرؓ لکن بسند ضعیف والضعیف یعمل به فی فضائل الاعمال اتفاقا ولذا قال ائمتنا ان مسح الرقبة **مستحب** اوسنة. (الموضوعات الکبیر ص۱۰۸)

(۳) فقہاء نے لکھا ہے کہ صلاۃ التسبیح کی نماز مستحب ہے حالانکہ حدیث ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: ترمذی شریف میں ہے:

باب ما جاء في صلاة التسبیح : حدثنا أبو کریب محمد بن العلاء نا زید بن حباب العکلی ناموسی بن عبیدة قال حدثنی سعید بن أبي سعید مولی أبي بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبي رافع قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم للعباس: یا عم...الخ .

قال أبوعیسیٰ: هذا حدیث غریب من حدیث أبي رافع...وقد روی عن النبی ﷺ غیر حدیث فی صلاة التسبیح و لا یصح منه کبیر

شیء وقد روی ابن المبارک وغیر واحد من أهل العلم صلاة التسبیح وذکروا الفضل فیه...(سنن الترمذی: ۱/۱۰۹،ط: فیصل)

قال العلامه الکشمیري فی العرف الشذی: وکلام الحافظ مضطرب فی الحکم علی حدیث التسبیح فانه قال فی التلخیص ان کل الأسانید ضعیفة...(العرف الشذی علی جامع الترمذی۱/۱۰۹)

(۴) صلاة الأوابین : مغرب کے بعد چھ رکعات مستحب ہیں اور روایت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم :"من صلیٰ بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتی عشرة سنة". قال أبوعیسیٰ وقد روي عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من صلی بعد المغرب عشرین رکعة بنی اللّٰه له بیتاً فی الجنة".قال أبوعیسیٰ حدیث أبي هریرة رضی اللہ عنہ حدیث غریب لا نعرفه إلا من حدیث زید بن الحباب عن عمر بن أبی خثعم قال:وسمعت محمد بن إسماعیل یقول: عمر بن عبد اللّٰه بن أبی خثعم منکر الحدیث وضعفه جداً. (سنن الترمذی:۲/۹۸، فیصل)

قال العلامة الکشمیری رحمہ اللہ: لم یصح فیها حدیث وحدیث الباب أیضاً ضعیف والعمل به مع ضعفه. (العرف الشذی علی جامع الترمذی۱/۱۰۱)

وقال الملا علی القاری: وهو ضعیف بإجماع أهل الحدیث...أنهم أجمعوا علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی

فضائل الأعمال... (مرقاة المفاتیح: ۳/۱۱٤)

(۵) عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ کو اہل وعیال پر کھانے پینے وغیرہ میں وسعت اور فراخی کرنا مستحب ہے حالانکہ حدیث ضعیف ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

أخرجه البیهقي فی الشعب من حدیث أبي سعید الخدری و أبي هریرة و ابن مسعود و جابر رضی اللّٰہ تعالی عنهم و قال: أسانیده کلها ضعیفة . (الموضوعات الکبیر: ۱/۱۲۷)

تنبیہ: یادرہے کہ یہ حدیث مختلف طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ بھی بن سکتی ہے۔ مزید تفصیل فتاویٰ دار العلوم زکریا جلد ۱، وجلد ۸ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(٦) **تلقین بعد الدفن** کو علمائے شافعیہ وحنابلہ نے مستحب لکھا ہے حالانکہ حدیث ضعیف ہے۔ علامہ عبد الحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

ومن أفتی بالتلقین الشیخ عز الدین بن عبد السلام وإنما استحبه ابن الصلاح وتبعه النووی نظراً إلی أن الحدیث الضعیف یتسامح به في فضائل الأعمال . انتهی. (الاجوبة الفاضلة ص۳۸)

قال ابن القیمؒ: وقد سئل عنه(التلقین) الإمام أحمدؒ فاستحسنه واحتج علیه بالعمل . ویروی فیه حدیث ضعیف ذکره الطبرانی فی معجمه من حدیث أبي عمامة... فهذا الحدیث وإن لم یثبت، فاتصال العمل به فی سائر الأمصار والأعصار من غیر إنکار کاف فی العمل به. (الروح ص۱٦)

(۷) عید الفطر وعید الاضحیٰ دونوں راتوں میں عبادت کرنا مستحب ہے اور حدیث

ضعیف ہے۔ قال الإمام النوویؒ: اتفقوا على استحباب إحياء ليلتي العيد . (شرح مسلم : ۷۱/۸)

قال أصحابنا: يستحب احياء ليلتي العيدين بصلاة اوغيرها من الطاعات واحتج له اصحابنا بحديث ابى امامة عن النبى ﷺ من احيى ليلتى العيد لم يمت قلبه يوم تموت القلوب وفى روايه الشافعى وابن ماجة من قام ليلتى العيدين محتسبا لله تعالى لم يمت قلبه حين تموت القلوب. رواه عن ابى الدرداء موقوفا وروى من رواية ابى امامة موقوفاً عليه ومرفوعا كما سبق واسانيد الجميع ضعيفة . (المجموع: ۴۷/۵)

مواهب الجلیل میں ہے:

استحب إحياء ليلة العيد... وروى مرفوعاً وموقوفاً وكلاهما ضعيف لكن احاديث الفضائل يتسامح فيها. (مواهب الجليل ۱۹۳/۴)

(۸) ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ جب نماز پوری فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ مبارک پیشانی پر رکھ کر یہ دعا پڑھتے" بسم الله الذى لا اله الا هو الرحمن الرحيم اللهم اذهب عنى الهم والحزن.

یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو طرق کے ساتھ مروی ہے لیکن دونوں طرق ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) عن كثير بن سليم (ضعيف) عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا صلى وفرغ من صلاته مسح بيمينه على

رأسه وقال:" بسم الله الذي لا إله إلا هو الرحمن الرحيم، اللّٰهم اذهب عنی الهم و الحزن".

أخرجه الطبرانی فی"الاوسط"(۳۲۰۲)،وفی "الدعاء" (٦٥٩)، وابن عدی فی"الکامل"(٦٤/٦)، والخطيب فی" التاريخ"(٤٨٠/١٢).

وهذا إسناد ضعيف .

(۲) سلام الطويل (متروک)، عن زيد العمی (ضعيف)، عن معاوية عن قرة، عن أنس بن مالک ﷛ قال: کان رسول الله ﷺ إذا قضی صلاته مسح جبهته بيده اليمنی ثم يقول: فذکره.

أخرجه الطبرانی فی"الدعاء"(٦٥٩)،وأبونعيم فی"الحلية"(۳۰۲/۲).

وأخرجه أيضاً: ابن السنی فی"عمل اليوم والليلة" (۱۱۳). بنفس الإسناد بلفظ:"أشهد أن لا إله إلا الله الرحمن الرحيم اللّٰهم اذهب عنی الهم والحزن". وهذا إسناد ضعيف جداً .

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن محدثین کی تصریح کی وجہ سے فضائل میں عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

(۹) یومِ عرفہ یومِ جمعہ کو واقع ہونے کی فضیلت: حدیث میں ہے:

أفضل الأيام يوم عرفة، إذا وافق يوم الجمعة فهو أفضل من سبعين حجة . یعنی دنوں میں افضل ترین دن یومِ عرفہ ہے اور جب یومِ عرفہ جمعہ کے دن واقع ہو تو ستر حج سے افضل ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن ثواب کی امید رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ملاحظہ ہو: وقال علی القاری فی رسالة"الحظ الاوفر

فی الحج الاکبر" بعد ذکر حدیث أفضل الأیام یوم عرفة رواه رزین، اما ماذکره بعض المحدثین فی اسناد هذا الحدیث انه ضعیف فعلی تقدیر صحته لا یضر المقصود فان الحدیث الضعیف معتبر فی فضائل الاعمال عند جمیع العلماء من ارباب الکمال . انتهی. (الاجوبة الفاضله ص ۳۷)۔ ہاں دیگر محدثین نے اس کو باطل کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دار العلوم زکریا جلد ۸)۔

(۱۰) فتاویٰ ہندیہ میں شبِ براءت میں زیارتِ قبور کو مستحب لکھا ہے، وکذا فی اللیالی المتبرکة لا سیما لیلة براءة. (۵/ ۳۵۰) حالانکہ اس میں جو روایت آئی ہے وہ حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ راجع: (سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۳۸۹ و سنن الترمذی، رقم: ۷۳۹، و مسند احمد مع تعلیقات الشیخ شعیب الارنؤوط)۔

(۱۱) سورۂ یٰس کے پڑھنے کو بھی صاحبِ درمختار اور علامہ شامی نے لکھا ہے حالانکہ اس میں وارد حدیث بھی ضعیف ہے۔ (درمختار مع ردالمختار: ۲/ ۲۴۲، سعید) روایت پر کلام اور اس کی تفصیل کے لیے فتاویٰ دار العلوم زکریا جلد سابع (ص ۷۴۴-۷۴۵، طبع بمبئی) کا مطالعہ مفید ہے۔

(۱۲) مقبرہ میں سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھنے کو فقہاء نے لکھا ہے حالانکہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ روایت کی تحقیق ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دار العلوم زکریا جلد اول، ص ۵۳۹، طبع بمبئی)۔

(۱۳) شبِ جمعہ کی نمازِ مغرب میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد کو فقہاء نے مستحب لکھا ہے؛ قال العلامة الشرنبلالی: ویستحب اقتداؤه بقراءة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم... کان یقرأ فی صلاة المغرب لیلة الجمعة :

قل یاأیها الکافرون وقل ھو اللّٰہ احد. (مراقی الفلاح،ص ۱۳۴،دار الکتب العلمیة)، اورحدیث ضعیف ہے،تفصیل کے لیےملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِدوم،ص۲۶۰،طبع بمبئی)۔

بعض مکروہات جن کی کراہت احادیثِ ضعیفہ سے معلوم ہوتی ہے ان سے بچنا بھی مستحب ہوگا،مثلاً بیوع اور انکحہ یعنی بیع کی بعض قسمیں مکروہ ہیں،اور بعض نکاح مکروہ ہیں،ان سے اجتناب مستحب ہے،ان کی تفصیل کتبِ احادیث اور کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

إذا ورد حدیث ضعیف بکراھة بعض البیوع اوالانکحة،فان المستحب أن یتنزہ عنه ولکن لا یجب. (الاذکار، ص۸)

مکروہات میں سے مثلاً ماءِمشمّس سے وضوکرنا مکروہ ہےضعیف روایت کی وجہ سےلھذا اس سے بچنا بھی مستحب ہوگا۔

البحرالرائق میں ہے: ویکرہ......وبالماء المشمس.(البحرالرائق ۱/ ۳۰)

مغنی المحتاج میں ہے:

ویکرہ شرعا تنزیھا الماء الشمس. (مغنی المحتاج ۱/۱۹)

شرح مھذب میں ہے:

قال المصنفؒ: ولایکرہ من ذلک الاما قصد الی تشمیسه فانه یکرہ الوضوء والدلیل علیه ما روی ان النبی ﷺ قال لعائشةؓ وقد سخنت ماء بالشمس یاحمیراء لاتفعلی ھذا فانه یورث البرص.

الشرح:ھذا الحدیث المذکورضعیف باتفاق المحدثین وقد رواہ

البیهقی من طرق وبین ضعفها کلها. (شرح المهذب ۱/ ۱۳۰)

حدیث ضعیف کا تلقی بالقبول کی وجہ سے قابل استدلال ہونا:

محدثین کے نزدیک جب کسی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو اور امت میں تعامل ہو جائے تو وہ حدیث قابلِ استدلال ہو جاتی ہے اور اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ ملاحظہ ہو: تدریب الراوی میں ہے:

قال بعضهم: یحکم للحدیث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم یکن اسناد صحیح.

قال ابن عبد البر فی الاستذکار لما حکی عن الترمذی أن البخاری صحح حدیث البحر" هو الطهور مائه" وأهل الحدیث لایصححون مثل إسناده لکن الحدیث عندی صحیح لأن العلماء تلقوه بالقبول.

وقال فی التمهید: روی جابر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم " الدینار أربعة وعشرون قیراطاً" قال: وفی قول جماعة العلماء وإجماع الناس علی معناه غنی عن الإسناد فیه.

وقال الاستاذ ابواسحاق الاسفرائینی: تصرف صحة الحدیث اذا اشتهر عند ائمة الحدیث بغیر نکیر منهم، وقال نحوه ابن فورک ...... وقال ابوالحسن ابن الحصار فی تقریب المدارک علی

موطامالک:قد یعلم الفقیه صحة الحدیث اذا لم یکن فی سنده کذاب بموافقة آیة من کتاب اللّٰه أو بعض أصول الشریعة، فیحمله ذلک علی قبوله و العمل به . (تدریب الراوی۱/۶۷)

وقال الحافظ ابن حجرؒ فی الافصاح علی نکت ابن الصلاح : ومن جملة صفات القبول التی لم یتعرض لها شیخنا یعنی الحافظ العراقی ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول حدیث،فانه یقبل حتی یجب العمل به.وقد صرح بذلک جماعة من ائمة الاصول. (الاجوبة الفاضله ص۲۳۱)

وقال محقق الحنفیة الامام الکمال بن الهمام فی فتح القدیر فی آخر الفصل الاول من فصول کتاب الطلاق عند قوله ﷺ طلاق الامة ثنتان وعدتها حیضتان الذی رواه ابوداود والترمذی وابن ماجه والدار قطنی عن عائشةؓ مرفوعاً، قال رحمه اللّٰه تعالی بعد ان ذکر عن بعضهم تضعیفه ثم رواه ومما یصحح الحدیث أیضاً عمل العلماء علی وقفه. و قال الترمذی عقیب روایته: حدیث غریب، والعمل علیه عند أهل العلم من أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وغیرهم. وفی"سنن الدار قطنی :۲/۴۴۱" . قال القاسم وسالم:عمل به المسلمون وقال مالک شهرة الحدیث بالمدینة تغنی عن صحة سنده. (الاجوبة ص۲۳۲)

وقال العلامه السخاویؒ: وکذا إذا تلقت الامة الضعیف بالقبول یعمل به علی الصحیح،حتی انه ینزل منزلة المتواتر فی انه ینسخ

المقطوع به، ولهذا قال الشافعیؒ في حديث لا وصية لوارث، انه لايثبته أهل الحديث، ولكن العامة تلقته بالقبول، وعملوا به حتى جعلوه ناسخاً لآية الوصية له. (فتح المغيث بشرح الفية الحديث للعراقى ۱/۳۳۳)

قواعد فی علوم الحدیث میں ہے: قد يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح. قلت: والقبول يكون تارة بالقول و تارة بالعمل عليه ... بل الحديث اذا تلقته الامة بالقبول فهوعندنا فی معنى المتواتر. (قواعد علوم الحديث ص ٦٠)

الاجوبة الفاضله میں ہے:

اذا تلقت الامة الضعيف بالقبول يعمل به على الصحيح حتى انه ينزل منزلة المتواترفی انه ينسخ المقطوع به. (الاجوبة الفاضلة، ۵۱)

وقال الشيخ إبراهيم الشبرخيتى المالكى فی شرح الاربعين النووى (ص۳۹): ومحل كونه لا يعمل بالضعيف فی الاحكام ما لم يكن تلقاه الناس بالقبول، فإن كان كذلک تعين وصار حجة يعمل به فی الأحكام وغيرها كما قال الشافعیؒ. (الاجوبة الفاضلة ص۲۳۳)

النکت علی کتاب ابن الصلاح میں ہے:

فقد نقل بعض الحفاظ من المتاخرين عن جمع الشافعيه والحنفية والمالكية والحنابلة انهم يقطعون بصحة الحديث الذى تلقته الامة بالقبول. (النكت على كتاب ابن الصلاح ۱/۳۸٤)

محققین حضرات کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث کو جب تلقی

بالقبول حاصل ہوجائے اوراسپر امت کاعمل ہوتو اس صورت میں وہ حدیث ضعیف نہیں رہے گی، بلکہ صحیح کے زمرہ میں شامل ہوجائیگی بلکہ حکماً وہ متواتر کے معنی میں ہوگی، لہذا احکام میں بھی معمول بہ ہوگی۔

چنانچہ فقہاء امت نے جن احادیث سے استدلال فرمایا اگر چہ بعد والے ان کو ضعیف کہتے ہیں لیکن ان کے نزدیک تعاملِ امت اور تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح تھیں۔

نیز امام ترمذیؒ اپنی سنن میں جابجا فرماتے ہیں: "**وعليه عمل أهل العلم و غيرهم**" اگر چہ حدیث ضعیف ہوتی ہے، تو یہ بھی صحت کی دلیل ہے۔

جیسا کہ امام بیہقیؒ نے صلاۃ التسبیح والی حدیث کے بارے میں فرمایا: عبداللہ بن مبارکؒ پڑھتے تھے اور نیک لوگوں نے اس حدیث کو قبول فرمایا اور عمل میں لائے اور اس کی وجہ سے مرفوع حدیث کو تقویت پہونچتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال البيهقي: كان عبد الله بن المبارك يصليها، وتداوله الصالحون بعضهم عن بعض، وفي ذلك تقوية للحديث المرفوع.

(قواعد في علوم الحديث ص٦٢)

المجتهد إذا استدل بحديث كان تصحيحاً له. (قواعد في علوم الحديث، ص ٥٧) مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو اس کے نزدیک صحتِ حدیث کی علامت ہے۔

إن الحديث اعتضد بقول أهل العلم، وقد صرح غير واحد بأن من دليل صحة الحديث قول أهل العلم به وإن لم يكن له إسناد يعتمد على مثله. (قواعد، ص٦٢)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ابن القطانؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

کسی ضعیف حدیث کے مطابق جب اجماع منعقد ہو جائے تو آیا وہ حدیث ضعف سے نکل کر درجہ صحت میں داخل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ محدثین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ وہ علی حالہ باقی رہتی ہے...اور بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ حدیث کو جب عملِ فقہاء یا عملِ امت کے ذریعہ قوت حاصل ہو جائے تو وہ ضعف کی حد سے نکل کر صحت اور قبول کی حد میں داخل ہو جاتی ہے۔

حضرت علامہؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہی رائے قرین قیاس اور مضبوط ہے اگر چہ یہ بات صرف اسناد سے دلچسپی رکھنے والوں کو شاق گزرے کیوں کہ واقع اور نفس الامر کا اعتبار کرنا نرے قواعد کے پیچھے دوڑنے سے بہتر ہے، قواعد تو صرف ان احادیث کی تحقیق حال کے لیے وضع کیے گئے ہیں جن کی پوزیشن واضح نہ ہو، یعنی جب حدیث کے موافق امت کا عمل پایا گیا تو یہ صریح دلیل ہے کہ یہ حدیث ثابت اور مبنی بر اصل ہے پھر اس کے اثبات کی کوشش کرنا اور قواعد پر جانچنا ایک امر لا حاصل ہے۔ (فیض الباری:۳/۴۰۹،بحوالہ حدیث وفہم حدیث،ص ۳۵۰)۔

محدثین وفقہاء کی عبارات سے ضعیف حدیث کے بارے میں چند امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) ضعیف حدیث فضائل، قصص، ترغیب وترہیب میں معتبر ہے۔

(۲) ضعیف حدیث سے استحباب اور اولویت کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۳) ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہے اس باب میں دوسری نص موجود نہ ہونے

کے وقت۔

(۴) ضعیف حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو احکام میں بھی اس کا اعتبار ہوگا۔

(۵) ضعیف حدیث کے ذریعہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔

(۶) مجتہدین جب کسی ضعیف حدیث سے استدلال کریں تو یہ اس کے صحیح ہونے کی علامت ہے۔

(۷) احکام میں جب احتیاط کا پہلو ہو تو ضعیف روایت سے استدلال درست ہے۔

(۸) طرق کے تعدد سے حسن ہو کر قابل استدلال ہوگی۔

(۹) سند ضعیف ہونے سے متن ضعیف نہیں ہوتا۔

(۱۰) دو نصوص کے درمیان حدیث ضعیف سے ترجیح حاصل ہوگی۔

(۱۱) ضعف اگر فسق راوی اور کذب کی وجہ سے ہو تو اس کی تلافی نہ ہوگی۔

(۱۲) عقائد کے باب میں احادیثِ ضعیفہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۳) عصمتِ انبیاء اجماعی مسئلہ ہے، لہذا کسی نبی کی شان کے خلاف حدیث ضعیف کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۴) صحابہ کرام کی شان کے خلاف احادیثِ ضعیفہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۵) بدعات اور خرافات کی ترویج میں احادیثِ ضعیفہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے خلاف احادیثِ ضعیفہ کا حکم:

احادیثِ ضعیفہ جو عصمتِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے منافی ہیں نہ ان کا قبول کرنا جائز ہے اور نہ ان کو واقعات میں بیان کرنا جائز ہے۔

چند مثالیں حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) غرانیق والا قصہ: اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے امام رازیؒ نے فرمایا ظاہری رائے رکھنے والے مفسرین کی یہ روایت ہے البتہ محققین نے فرمایا یہ روایت باطل اور موضوع ہے پھر قرآن اور احادیث سے دلائل پیش فرمائے ہیں:

هذه رواية عامة المفسرين الظاهرين أما أهل التحقيق فقد قالوا هذه الرواية باطلة موضوعة واحتجوا عليه بالقرآن و السنة و المعقول.

أما القرآن فوجوه: أحدها: قوله تعالى: (ولوتقول علينا بعض الأقاويل لأخذنا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين) [الحاقة ۴۶] **وثانيها: قوله تعالىٰ (قل ما يكون لي أن أبدله من تلقاء نفسي إن أتبع إلا ما يوحى إلي)** [يونس ١٥] **و ثالثها: قوله تعالىٰ (وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي**

یوحی) [النجم ۳] فلو أنه قرأ عقیب هذه الآیة تلک الغرانیق العلی لکان قد ظهر کذب اللّٰه تعالی فی الحال و ذلک لا یقوله مسلم. ورابعها: قوله تعالی(وإن کادوا لیفتنونک عن الذی أوحینا إلیک لتفتری علینا غیره وإذا لاتخذوک خلیلا) [الاسراء ۷۳] وکلمة کاد عند بعضهم معناه قرب أن یکون الأمر کذلک مع انه لم یحصل. و خامسها: قوله (ولو لا أن ثبتناک لقد کدت ترکن إلیهم شیئاً قلیلا) [الاسراء ۷۴] و کلمة لو لا تفید انتفاء الشیء لانتفاء غیره فدل علی ان ذلک الرکون القلیل لم یحصل. و سادسها: قوله (کذلک لنثبت به فؤادک) [الفرقان ۳۲] و سابعها: قوله (سنقرئک فلا تنسی) [الاعلی:٦].

و أما السنة فهی ما روی عن محمد بن اسحاق بن خزیمة انه سئل عن هذه القصة فقال هذا وضع من الزنادقة و صنف فیه کتابا.و قال الإمام أبو بکر أحمد بن الحسین البیهقی: هذه القصة غیر ثابتة من جهة النقل ثم أخذ یتکلم فی ان رواة هذه القصة مطعون فیهم، وأیضاً فقد روی البخاری فی صحیحه أن النبی علیه السلام قرأ سورة النجم و سجد فیها المسلمون و المشرکون و الانس و الجن و لیس فیه حدیث الغرانیق. و روی هذا الحدیث من طرق کثیرة و لیس فیها البتة حدیث الغرانیق .

وأما المعقول فمن وجوه : أحدها : أن من جوز علی الرسول ﷺ تعظیم الاوثان فقد کفر لأن من المعلوم بالضرورة أن أعظم سعیه

کان فی نفی الأوثان . الخ. (التفسیرالکبیر۲۳/٤٤)

قال القاضی ابو السعود :

فلما بلغ " ومناة الثالثة الأخری" وسوس إلیه الشیطان. وهو مردود عند المحققین . (تفسیر ابی السعود:٤/۳۸۹)

قاضی ابوالسعودؒ نے فرمایا: غرانیق والاقصہ محققین کے نزدیک مردود ہے۔

روح المعانی میں ہے:

وفی البحران هذه القصة سئل عنها الامام محمد بن اسحاق جامع السیرة النبویة فقال: هذا من وضع الزنادقة وصنف فی ذلک کتابا، و ذکر الشیخ ابومنصور الماتریدی فی کتاب قصص الاتقیاء الصواب ان قوله : تلک الغرانیق العلا من جملة ایحاء الشیطان الی اولیائه من الزنادقة حتی یلقوا بین الضعفاء وارقاء الدین لیرتابوا فی صحة الدین وحضرة الرسالة بریئة من مثل هذه الروایة. (روح المعانی۱۷/۱۷۷)

علامہ آلوسی بغدادیؒ ذکر فرماتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے اس قصہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ زندیقوں کا بنایا ہوا ہے اور ایک کتاب اس کے بارے میں تصنیف فرمائی ہے، اور شیخ ابو منصور ماتریدیؒ نے فرمایا کہ شیطان نے اپنے دوستوں کو القا کیا تا کہ وہ کمزوروں کو بتلا دیں پھر دین میں شکوک وشبہات پیدا کریں اور دین میں شک ڈالیں نیز اس جیسی روایات سے منصبِ نبوت میں شکوک پیدا کریں۔

پھر علامہ آلوسیؒ نے اس قصہ کی تردید میں دلائل بیان فرمائے ہیں کہ اس کو صحیح

کہنے سے صحتِ دین اور منصبِ نبوت پر زد پڑتی ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روح المعانی (۱۷/۷۷)

(۲) وتخفی فی نفسک ما اللّٰہ مبدیہ وتخشی الناس. کی تفسیر میں مفسرین نے جو روایتیں نقل کی ہیں مثلاً: **أنہ ﷺ لما رآھا عجبتہ ووقع فی قلبہ حبھا و أحب طلاق زید لھا .**

یہ روایت اور اس جیسی روایات قبول کرنے سے شان نبوی پر زد پڑتی ہے لہذا محققین نے تصریح کی ہے کہ یہ روایات قابل قبول نہیں۔

ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر میں ہے:

ذکر ابن ابی حاتم و ابن جریر ھھنا آثاراً عن بعض السلف أحببنا أن نضرب عنھا صفحاً لعدم صحتھا فلا نوردھا . (تفسیر ابن کثیر ۳/۵٤۰)

محقق ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس مقام پر ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بعض سلفؒ سے بہت سارے آثار نقل فرمائے ہیں ہم اس سے پہلو تہی اختیار کرنا پسند کرتے ہیں اس کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے، لہذا بیان نہیں کرتے۔

یعنی اس قصہ کے متعلق بہت ساری روایات ہیں لیکن صحیح نہیں ہیں لہذا ذکر نہیں فرمائیں۔ علامہ آلوسیؒ اس قسم کی روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وفی شرح المواقف: أن ھذہ القصۃ مما یجب صیانۃ النبی ﷺ عن مثلہ .

شرح مواقف میں ہے کہ اس جیسے قصہ سے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس بابرکت کو بچانا لازم ہے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے اور خودکشی کرنے کا ارادہ کرنے والا واقعہ صحیح نہیں ہے۔ خودکشی اسلام میں جرمِ عظیم ہے۔

ایک روایت کا مفہوم یہ ہے کہ وحی میں تاخیر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کا ارادہ کیا تھا، لیکن جبرئیل امین نے آکر روکا تھا، یہ واقعہ دو حضراتِ صحابہ؛ ا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے۔ اور ۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، یہ سنداً صحیح ہے البتہ نفس واقعہ میں امام زہری کی طرف سے ادراج ہے۔ اور بلاغاتِ زہری مقبول نہیں ہیں۔

بالفرض والتقدیر اگر روایت کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو دونوں روایات کے مابین تعارض واقع ہونے کی وجہ سے ممانعت والی روایات کو ترجیح ہوگی۔ اور تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ تردی من الجبل ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے جو منسوخ ہے۔ لہذا اس سے خودکشی کے جواز پر استدلال غیر تام ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ممانعت والی روایات اصح ہیں اور اس پر عمل درآمد ہے اور تردی من الجبل کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے انتظار اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ملاقات کے شوق میں پہاڑ پر تشریف لے جاتے کہ بلند مقام سے جلدی نظر آجائے، تو یہ اُترنا اور چڑھنا اور بار بار اوپر دیکھنا گویا اپنے آپ کو گرانے کے مشابہ تھا، جیسے چھت سے چھلانگ لگانے والے کو یہ کہا جائے کہ آپ اپنے کو موت کے منہ میں ڈالتے ہو! تو کبھی حرا اور کبھی ثبیر پر چڑھنا بھی ایسا ہی تھا۔ روایات کی تحقیق ذیل میں ملاحظہ ہو:

ا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی تحقیق: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن

رسول الله صلى الله عليه وسلم لما نزل عليه الوحی بحراء مكث أياماً لايرى جبريل فحزن حزناً شديداً حتى كان يغدو إلى ثبير مرة وإلى حراء مرة يريد أن يلقى نفسه منه... الخ. (الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱/ ۱۹۶، ط: دارصادر، بیروت).

قلت: إسناده ضعيف؛ فيه: محمد بن عمر الواقدی وهو متهم بالكذب، لكن يعتبر به فی التاريخ والسير، فالحديث ضعيف وليس بموضوع. وإبراهيم بن محمد بن أبي يحيى الأسلمی أبو إسحاق المدني، كذبه جماعة. للمزيد راجع: سلسلة الضعيفة (۱۰۵۲/۱۶۰/۳).

طبقات ابن سعد کے مقدمہ میں مرقوم ہے:

ويتبين لنا من هذا العرض أن في رواة ابن سعد ثلاثة على الأقل يضعفهم أهل الحديث...ثم الواقدی نفسه فقد اتهموه بأنه أغرب على الرسول بعشرين ألف حديث وأنه كان يروی المناكير. (مقدمة الطبقات الكبرى: ۱/۱۱).

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ضعیف ہے اور صحیح روایات کے مقابلہ میں غیر معتبر ہے۔

۲ ـــ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ملاحظہ ہو: عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: أول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصادقة فی النوم ... وفتر الوحي فترة حتى

حزن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فيما بلغنا حزناً غدا منه مراراً كي يتردى من رؤوس شواهق الجبال فكلما أوفى بذروة جبل لكي يلقى نفسه منه تبدى له جبريل . (صحيح البخاری ،رقم: ۶۹۸۲،كتاب التعبير).

یہ روایت صحیح بخاری شریف میں تین مقامات پر ہیں؛۱۔کتاب بدء الوحی ،۲۔ کتاب التفسیر،۳۔اِس جگہ کتاب التعبیر میں۔اِن تینوں مقامات میں سے صرف اِسی جگہ یتردی من الجبل والا واقعہ مذکور ہے،لیکن محدثین نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس کی سند میں امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہیں اور فیما بلغنا سے مدرج کلام ہے اور بلاغات الزہری محدثین کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: والذي عندي أن هذه الزيادة خاصة برواية معمر...ثم إن القائل: فيما بلغنا هو الزهری ومعنى الكلام أن في جملة ما وصل إلينا من خبر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في هذه القصة وهو من بلاغات الزهری وليس موصولاً وقال الكرماني: هذا هو الظاهر...فصار كله مدرجاً على رواية الزهری . (فتح الباری :۱۲/ ۳۶۰).

قال الشيخ شعيب : إسناده صحيح على شرط الشيخين دون قوله حتى حزن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فيما بلغنا حزناً فهو من بلاغات الزهري وهي واهية. (التعليقات على مسند الإمام أحمد:۴۳/ ۱۱۴).

وكذا قال فی تعليقاته على سير اعلام النبلاء (۲/ ۱۱۵،ط: مؤسسة الرسالة).

خلاصہ یہ ہے کہ معمر عن الزہری کے تمام طرق میں اس روایت کو فیما بلغنا سے

نقل کیا ہے سوائے ایک طریق کے، جس کو ابن مرویہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن کثیر ضعیف راوی ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (فتح الباری : ۳۶۰/۱۲، وسیر اعلام النبلاء: ۳۳۸/۵، مؤسسۃ الرسالۃ)۔

یہ روایت مسلم شریف میں تین مقامات پر مذکور ہے لیکن کہیں تـــردی مـــن الجبل والا قصہ مذکور نہیں۔

راجع: صحیح مسلم۔ (رقم: ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴)۔

" السيرة النبوية "میں شیخ ابوشہبہ لکھتے ہیں:

وهذه الرواية ليست على شرط الصحيح لأنها من البلاغات، وهي من قبيل المنقطع والمنقطع من أنواع الضعيف، والبخاريؒ لا يخرج إلا الأحاديث المسندة المتصلة برواية العدول الضابطين ولعل البخاريؒ ذكرها لينبهنا إلى مخالفتها لما صح عنده من حديث بدء الوحي الذي لم تذكر فيه هذه الزيادة، ولو أن هذه الرواية كانت صحيحة لأولناها تأويلاً مقبولاً، أما وهي على هذه الحالة فلا نكلف أنفسنا عناء البحث عن مخرج لها ...

پھر آگے تردی من الجبل کی توجیہ بیان کرتے ہیں:

والتعليل الصحيح لكثرة غشيانه صلى الله عليه وسلم في مدة الفترة رؤوس الجبال وشواهقها أن الإنسان إذا حصل له خير أو نعمة في مكان ما فإنه يحب هذا المكان، و يتلمس فيه ما افتقده، فلما

انقطع الوحي صارصلى اللّٰه عليه وسلم يكثر من ارتياد قمم الجبال، ولاسيما حراء، رجاء أنه لم يجد جبريل في حراء فليجده في غيره، فرآه راوی هذه الزيادة وهو يرتاد الجبال ، فظن أنه يريد هذا، و قد أخطأ الراوی المجهول في ظنه قطعاً ... الخ . (السيرة النبوية: ۱/۲٦٥. ۲٦٦، ط:دار القلم، دمشق).

شیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی تردی من الجبل کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد عرضت لأخی الشيخ عبيد اللّٰه أمين كردی سانحة حول مسألة التردی ، أحببت أن أثبتها هنا :

فقال: إن التردی المذكور في سياق الآثار الواردة في فترات انقطاع الوحي ، و تأخر ظهور جبريل عليه السلام للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم، ليس المقصود منه أنه محاولة انتحار منه صلى اللّٰه عليه وسلم ولكن المقصود تصوير حال الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم النفسية والحركية ، حيث كان يذهب إلى رؤوس الجبال يتطلع لرؤية جبريل عليه السلام الذي أبطأ عنه ، ويتشوف إلى عودة الوحي، الذی استأنس به، وتعلق به روحياً، وهو صلى اللّٰه عليه وسلم إنما يبحث عن ذلک في رؤوس الجبال؛ لأن لقائه الأول مع جبريل كان على جبل حراء ، فمن الطبيعي أن يبحث عنه بعد ذلک فی الذرا لا فی السفوح ، فالتردی ليس مقصوداً ، ولكنه تصوير لحاله صلى اللّٰه عليه وسلم أثناء البحث ، حيث إن الإنسان إذا كان يسير على قمة جبلية وعرة ، غير

مستوية السطح، فيجب عليه أن يلاحظ مواطن قدميه ، وممشاه ليضبط توازنه ، فإذا انصرف بصره متقلباً بين السماء ودائرة الأفق متشوقاً متعطشاً لرؤية شيء ما يرتقبه ، فإنه سيتعذر عليه ملاحظة مواطن قدميه ، وممشاه ، وبالتالي سيفقد توازنه وهذا الأمر يمكن أن يؤديه إلى التردی، أوالسقوط القسری، لا الاختياری. (سيدنا محمد رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم الأسوة الحسنة، للشيخ الصاغرجی: ۱/۱۵۸، الباب الثانی: الفصل الأول: فترة بعثته صلى الله عليه وسلم،ط:دارالكلم الطيب،دمشق).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۴) حضرت داؤدعلیہ السلام کے بارے میں مفسرین حضرات نے جوروایات نقل فرمائی ہیں، وہ بھی عصمتِ نبی کے خلاف ہیں اور سمجھ سے بعید ہیں، ایسی روایات کا قبول کرنا بھی جائز نہیں اور نہ ان کو بیان کرنا چاہئے۔ اس بارے میں علماء کی آراءحسب ذیل درج ہیں۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں: یہ قصہ باطل ہے اوراس کے بطلان پر چند دلیلیں پیش فرمائی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

والذی ادين به واذهب اليه ان ذلک باطل ويدل عليه وجوه (الاول) ان هذه الحكاية لونسبت الى افسق الناس واشدهم فجورا لاستنكف منها. اذاكان الامر كذلک فكيف يليق بالعاقل نسبة المعصوم اليه (الثانی) ان حاصل القصة يرجع الى امرين الى السعی فی قتل رجل مسلم بغيرحق والى الطمع فی زوجته. الخ (اماالاول) فامر

منکرقال ﷺ من سعی فی دم مسلم ولو بشطر کلمة جاء یوم القیامة مکتوبا بین عینیه آیس من رحمة الله (واماالثانی) فمنکر عظیم قال صلی اللّٰہ ﷺ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده ، وان اوریا لم یسلم من داود لا فی روحه ولا فی منکوحه (والثالث) ان اللّٰہ تعالیٰ وصف داؤد علیه السلام قبل ذکرهذه القصة بالصفات العشرة المذکورة، ووصفه ایضا بصفات کثیرة بعد ذکرهذه القصة، وکل هذه الصفات تنافی کونه علیه السلام موصوفا بهذا الفعل المنکروالعمل القبیح. (تفسیرالفخرالرازی۱۳/۱۸۹)

قاضی ابوسعود فرماتے ہیں کہ یہ قصہ صریح افترا اور مکروفریب ہے اور ایسا برا ہے کہ کانوں کوسننا گوارانہیں اورطبیعتوں کواس سے نفرت ہے۔ ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس نے ایسا قصہ گھڑا اور پھیلایا، بہت ہی ہلاکت ہے، اوراسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جوشخص حضرت داؤدعلیہ السلام کا قصہ بیان کرے تو اس کو میں ۱۶۰ کوڑے مارونگااور یہی حد ہے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پرتہمت لگانے والے کی۔ ملاحظہ ہو:

فإفک مبتدع مکروه مخترع بئسما مکروه تمجه الأسماع وتنفر عنه الطباع ویل لمن ابتدعه وأشاعه وتباً لمن اخترعه وأذاعه، ولذلک قال علی رضی اللہ عنہ من حدث بحدیث داؤد علیه السلام علی ما یرویه القصاص جلدته مائة وستین وذلک حد الفریة علی الأنبیاء صلوات اللّٰہ وسلامه علیهم. (تفسیر ابی السعود:۵/۳۵۸)

محقق ابن کثیر نے فرمایا:

اس مقام پر مفسرین نے قصہ بیان کیا ہے اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور نبی معصوم سے ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں جسکا اتباع واجب ہو لیکن پھر بھی ابن ابی حاتم نے اس مقام پر ایک روایت نقل کی ہے اس کی سند صحیح نہیں اس لئے کہ وہ روایت یزید رقاشی سے ہے اور یزید رقاشی اگر چہ نیک لوگوں میں سے ہیں لیکن حدیث کے معاملہ میں محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، لہذا بہتر یہ ہے کہ ایسے قصوں سے اجتناب کریں۔

ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر میں ہے:

قد ذكر المفسرون هاهنا قصة اكثرها ماخوذ من الاسرائيليات ولم يثبت فيها عن المعصوم حديث يجب اتباعه ولكن روى ابن ابى حاتم هنا حديثاً لايصح سنده لأنه من رواية يزيد الرقاشي عن أنس رضي الله عنه ويزيد وان كان من الصالحين لكنه ضعيف الحديث عند الائمة فالأولى أن يقتصر على مجرد تلاوة هذه القصة وأن يرد علمها إلى الله عزوجل فإن القرآن حق وما تضمن فهو حق أيضاً. (تفسیرابن کثیر ۴/۳۳)

(۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بھی مفسرین نے چند روایات و حکایات ذکر فرمائی ہیں وہ بھی عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے منافی ہیں، لہذا اس سے بھی اجتناب ضروری ہوگا، چنانچہ محققین حضرات نے اس کو رد فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

امام رازیؒ فرماتے ہیں: عصمتِ انبیاء علیہم السلام پر بہت دلائل قائم ہیں اور قوی ہیں جب کہ ان حکایات اور اخبار آحاد کی صحت پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں اور خبر واحد قوی دلائل کا مقابلہ نہیں کرسکتی، لہذا اسکی طرف التفات بھی نہیں کیا جائے گا۔

قال الامام فخر الدين الرازيؒ:

وجوابنا ان الدلالة الكثيرة قامت على عصمة الانبياء عليهم السلام و لم يدل دليل على صحة هذه الحكايات،و رواية الآحاد لاتصلح معارضة للدلائل القوية،فكيف الحكايات عن اقوام لايبالى بهم و لا يلتفت الى اقوالهم،والله اعلم. (التفسیرالکبیر۱۳/۲۰۷)

نیز مذکور ہے:

واعلم أن أهل التحقيق استبعدوا هذا الكلام من وجوه(الاول)ان الشيطان لوقدرعلى ان يتشبه بالصورة والخلقة بالانبياء،فحينئذ لايبقى اعتماد على شيء من الشرائع،فلعل هؤلاء الذين رآهم الناس فى صورة محمد وعيسى وموسى عليهم السلام ماكانوا اولئك بل كانوا شياطين تشبهوا بهم فى الصورة لاجل الاغواء والاضلال، ومعلوم ان ذلك يبطل الدين بالكلية (الثانى)ان الشيطان لوقدرعلى ان يعامل نبى الله سليمان بمثل هذه المعاملة لوجب ان يقدرعلى مثلها مع جميع العلماء والزهاد، وحينئذ وجب ان يقتلهم وان يمزق تصانيفهم ان يخرب ديارهم ، ولما بطل ذلك فى حق آحاد العلماء فلأن يبطل مثله فى حق أكابرالعلماء اولى (والثالث)كيف يليق بحكمة الله واحسانه ان يسلط الشيطان على ازواج سليمان؟ ولاشك انه قبيح (الرابع) لو قلنا ان سليمان اذن لتلك المراة فى عبادة تلك الصورة فهذا كفر منه، و ان لم يأذن فيه البتة فالذنب على تلك المرأة ، فكيف يؤاخذ الله سليمان بفعل لم يصدر ؟ (التفسیرالکبیر۱۳/۲۰۸)

(۶) ہاروت و ماروت کا قصہ مفسرین نے نقل کیا ہے وہ بھی سمجھ سے بعید ہے اس وجہ سے کہ فرشتے معصوم ہوتے ہیں اور اُن سے گناہ سرزد نہیں ہوتے ہیں، قرآن میں ﴿لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون﴾ آیا ہے اور اس قصہ کو تسلیم کرنے میں ان کی طرف قتل، شربِ خمر، سجود للصنم، یہ تمام کبائر منسوب کرنا ہے جو درست نہیں ہے، لہذا اقوی دلائل کا اعتبار ہوگا، اور ضعیف روایات اور اسرائیلیات کا اعتبار نہیں ہوگا، ان کو قبول کرنا درست نہیں۔ ملاحظہ ہو:

محقق ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس قصہ کا مدار اسرائیلیات پر ہے، نہ اس میں کوئی مرفوع صحیح حدیث ہے اور نہ نبی معصوم ﷺ سے کچھ ثابت ہے، اگر چہ مفسرین حضرات نے آثار نقل کیے ہیں، لیکن ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جتنا قرآن نے اجمالاً بیان کیا ہے۔

قال ابن کثیرؒ: فدار الحدیث ورجع الی نقل کعب الاحبار عن کتب بنی اسرائیل ... وقال أیضاً: وقد روی فی قصة ھاروت وماروت عن جماعة من التابعین کمجاھد والسدی والحسن البصری وقتادة وابی العالیة والزھری و الربیع بن انس ومقاتل بن حیان وغیرھم. وقصھا خلق من المفسرین من المتقدمین والمتأخرین. وحاصلھا راجع فی تفصیلھا الی اخبار بنی اسرائیل اذ لیس فیھا حدیث مرفوع صحیح متصل الاسناد الی الصادق المصدوق المعصوم الذی لا ینطق عن الھوی، وظاھر سیاق القرآن اجمال القصة من غیر بسط ولا اطناب فنحن نؤمن بما ورد فی القرآن ما اراده اللّٰہ تعالی، واللّٰہ اعلم بحقیقة الحال. (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۱۵۱)

علامہ آلوسیؒ نے بھی اس قصہ کو رد کیا اور فرمایا کہ اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو: واما ما روی ان الملائکة...إلی غیر ذلک من الآثار التی بلغت طرقها نیفا وعشرین، فقد انکره جماعة منهم القاضی عیاض، وذکر ان ما ذکره اهل الاخبار، ونقله المفسرون فی قصة هاروت وماروت لم یرد منه شیء لا سقیم ولا صحیح عن رسول الله ﷺ ولیس هو شیئاً یؤخذ بالقیاس وذکر فی البحر أن جمیع ذلک لایصح منه شیء، ولم یصح ان رسول الله ﷺ کان یلعن الزهرة... ونص الشهاب العراقی علی ان من اعتقد فی هاروت وماروت انهما ملکان یعذبان علی خطیئتهما مع الزهرة فهو کافر بالله تعالی العظیم، فان الملائکة معصومون ...... و الزهرة کانت یوم خلق الله السموت والأرض. (روح المعانی ۱/۳٤۱)

امام رازیؒ نے اس قصہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ باطل موضوع اور مردود ہے، مقبول نہیں۔ ملاحظہ ہو: واعلم ان هذه الروایة فاسدة مردودة غیر مقبولة لانه لیس فی کتاب الله ما یدل علی ذلک بل فیه ما یبطلها من وجوه، الاول: ما تقدم من الدلائل الدالة علی عصمة الملائکة عن کل المعاصی الخ. (تفسیر کبیر ۲/۲۳۷)

یہ چند مثالیں ہیں جو عصمتِ انبیاء علیہم السلام وعصمتِ ملائکہ کے منافی ہیں، بہت سارے مفسرین نے ذکر فرمایا ہے، لیکن محققین حضرات نے رد فرمایا، پس ایسی روایات قابل قبول نہیں، بلکہ اس کے مقابلہ میں اصولِ کلیہ شرعیہ کو ترجیح ہوگی۔ و الله اعلم.

صحابہ کرام کی شان کے خلاف احادیث ضعیفہ کا حکم:

جو احادیث حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان کے خلاف ہوں، اُن کا بھی اعتبار نہ ہوگا اور صحیح روایات جو صحابہ کرام کے مناقب وفضائل میں وارد ہوئی ہیں اُن کا اعتبار ہوگا، اور اس کے خلاف روایت کی یا تو مناسب تاویل کی جائیگی یا گر ضعیف ہے تو ضعف کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہ ہوگی، اس قسم کی چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

(۱) طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جونیہ عورت نے جو أعوذ باللّٰه منک کہا تھا، وہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے اُکسانے کی وجہ سے کہا تھا۔ ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد میں ہے:

أخبرنا هشام بن محمد ، حدثني ابن الغسيل عن حمزة بن أبي أسيد الساعدى عن أبيه و كان بدرياً قال: تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم أسماء بنت النعمان الجونية فأرسلني فجئت بها فقالت حفصة لعائشة أو عائشة لحفصة ، اخضبيها أنت و أنا أمشطها ففعلن ثم قالت لها إحداهما: إن النبي صلى الله عليه وسلم يعجبه من المراة إذا دخلت عليه أن تقول: أعوذ بالله منک الخ . وفي رواية له فلما رآها نساء النبي صلى الله عليه وسلم حسدنها فقلن لها : إن أردت أن تحظى عنده فتعوذى بالله منه إذا

دخل عليک . الخ . (طبقات ابن سعد ۸/ ۱٤٥)

لیکن یہ روایت صحیح نہیں اس لئے کہ ان دونوں روایتوں میں **هشام بن محمد بن السائب الكلبى** ہے اور یہ متروک رافضی ہے لہذا یہ حدیث قابلِ قبول نہیں خصوصاً جب کہ کوئی رافضی، شیعہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے خلاف کوئی روایت نقل کرے تو ہرگز قابلِ قبول نہیں، کیونکہ شیعہ حضرت عائشہؓ کی عفت و پاکدامنی میں زبان درازی کرتے ہیں۔ **(نعوذ بالله من ذلک)**

قال الذهبی: هشام بن محمد بن السائب الكلبى قال الدارقطنى وغيره ،متروک وقال ابن عساكر رافضى ليس بثقة. (میزان الاعتدال ٥/ ٤٣٠، و لسان الميزان ٣/ ٣٣٨)

(۲) روایت میں آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: **" لا أشبع الله بطنه "** ملاحظہ ہو: مسلم شریف میں ہے:

حدثنا محمد بن المثنى العنزى وابن بشار وقال: واللفظ لابن المثنى قالا نا امية بن خالد نا شعبه عن ابى حمزة القصاب عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كنت العب مع الصبيان فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فتواريت خلف باب قال فجاء فحطاني حطاة فقال: اذهب ادع لي معاوية قال: فجئت وقلت هو يأكل قال ثم قال لى اذهب فادع لى معاوية قال:فجئت فقلت: هو يأكل فقال: " لا أشبع الله بطنه ". (رواه مسلم ۲/ ۳۲٥)

یہ روایت درجِ ذیل چند وجوہات کی بنا پر سمجھ میں نہیں آتی:

ا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ چھپ گئے یہ بات بہت بعید ہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو سعادت سمجھتے تھے اس کے باوجود وہ چھپ جائیں، نیز وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر حضرت میمونہؓ کی نوبت میں پوری رات جاگنے کا اہتمام فرماتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات والے اعمال دیکھنے کے لئے۔

۲۔روایت میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھوں نے انکار کیا، ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انکو کھاتے ہوئے دیکھا تو واپس چلے آئے۔

۳۔اس روایت میں ایک راوی ابوحمزہ القصاب پر کلام ہے اگرچہ بعض حضرات نے توثیق کی ہے، مگر دوسرے بعض نے جرح بھی کی ہے، مثلا حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا:

صدوق له اوهام. (تقریب التهذیب ص٢٦٥)

تحریر تقریب التهذیب میں ہے:

بل: ضعیف یعتبر به، فقد ضعفه ابوزرعة الرازی، وابوحاتم، والنسائی، وابوداؤد، والعقیلی، ووثقه ابن معین، وذکر ابن خلفون ان ابن نمیر وثقه ایضاً، وذکره ابن حبان فی الثقات. (تحریر تقریب التهذیب٣/١١٥/٥١٦٣)

ابوزرعہ نے فرمایا: **لین.**

ابوحاتم ونسائی نے فرمایا: **لیس بقوی.**

ابوداود نے فرمایا: **لیس بذاک وهو ضعیف.** (تهذیب الکمال٢٢/٣٤٣)

اگر چہ مختلف فیہ راوی کی روایت حسن ہوتی ہے لیکن اس جگہ دوسری چند وجوہات کی بنا پر درست معلوم نہیں ہوتی۔

۴۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ''لا أشبع اللّٰہ بطنہ'' موجود نہیں۔ ملاحظہ ہو:

قال ابو الحجاج یوسف المزی : اخبرنا ابو الفرج بن قدامة......عن ابی حمزة قال : سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہ یقول:...ثم بعثنی إلی معاویة رضی اللہ عنہ فرجعت إلیه فقلت: هو یاکل . انتهی . (تهذیب الکمال ۲۲/۳٤٥)

اس روایت میں دوبارہ بھیجنے کا ذکر نہیں اور ان الفاظ کا بھی ذکر نہیں معلوم ہوا کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

(۳) ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حمار کہا۔ شرح معانی الاثار میں ہے:

أن أبا غسان مالک بن یحییٰ الهمدانی حدثنا قال ثنا عبد الوهاب بن عطاء قال انا عمران بن حُدَیر عن عکرمة أنه قال: کنت مع ابن عباس رضی اللہ عنہ عند معاویة رضی اللہ عنہ نتحدث حتی ذهب هزیع من اللیل فقام معاویة رضی اللہ عنہ فرکع رکعة واحدة فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ : من أین تری أخذها الحمار . (شرح معانی الاثار ۱/ ۱۹۹)

یہ روایت ضعیف ہے اس وجہ سے کہ بخاری شریف کی روایت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فقیہ فرمایا نیز طحاوی شریف کی دوسری روایت میں

حمار کا لفظ نہیں ہے بلکہ امام طحاویؒ نے صراحۃً کہا کہ حمار کا لفظ نہیں ہے۔

حدثنا أبوبكرة قال ثنا عثمان بن عمرقال ثنا عمران فذكر باسناده مثله إلا أنه لم يقل الحمار. (شرح معانی الاثار ۱/ ۱۹۹)

نیز اس کی سند میں ایک راوی ابو غسان مالک بن یحیی پر کلام ہے چنانچہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: **فی حدیثه نظر**. (میزان الاعتدال ٤/٣٤٩)

اور یحیی بن سعید القطان نے فرمایا: **لایعرف، وذكره العقيلي فی الضعفاء، وذكره ابن حبان ايضا فی الضعفاء، قال ابن حجر:منكر الحديث جدا لايجوز الاحتجاج به** . (لسان المیزان ٥/٧)

وقال ابوحاتم: منكر الحديث لايجوز الاحتجاج به اذا انفرد عن الثقات. (کتاب المجروحین ٣/٣٧)

نشر الاظہار میں ہے:

وشيخه عبد الوهاب ايضاً متكلم فيه راجع التهذيب (٦/١ ٤٥) وان ركاكة متنها تدل على ضعفها فان ما فيها من البذاءة يستنكر من الاعراب فضلاً عن حبر الامة سيدنا ابن عباسرضی اللہ عنہ . (نشر الاظہار ١/٥٥٧)

خلاصہ: یہ روایت ابو غسان کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے قابل قبول نہیں اس کے برخلاف بخاری شریف کی روایت ملاحظہ ہو: **قال أوتر معاوية** رضی اللہ عنہ **بعد العشاء بركعة وعنده مولى لابن عباس** رضی اللہ عنہ **فأتى ابن عباس** رضی اللہ عنہ **فقال: دعه فإنه قد صحب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم . وفي رواية له قيل لابن عباس**رضی اللہ عنہ **هل لک في أمير المؤمنين معاوية** رضی اللہ عنہ **فإنه ما أوتر إلا بواحدة**

قال : أصاب أنه فقيه . (رواهما البخارى ۱/ ۵۳۱)

ان دونوں روایتوں میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی، لہذا ان صحیح روایات کو ترجیح ہوگی، اور ضعیف پر اعتماد نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(۴) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت میں آتا ہے "**ولقد ضم ضمة اختلفت منها اضلاعه من اثر البول**" یعنی قبر میں اس طرح دبائے گئے کہ آپ کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس گئیں پیشاب کے اثر کی وجہ سے۔

طبقات ابن سعد میں ہے:

اخبرنا شبابة بن سوار قال: اخبرنی ابومعشر عن سعيد المقبرى قال لما دفن رسول الله صلى الله عليه وسلم سعدا قال: لو نجا أحد من ضغطة القبر لنجا سعد، ولقد ضم ضمة اختلفت أضلاعه من أثر البول.

(طبقات ابن سعد ۳/ ۴۳۰)

قال الذهبي فى السير: هذا منقطع ومع انقطاعه ضعيف لضعف ابى معشر.

وقال ايضاً فى الميزان: قال ابن معين: ليس بقوى، وقال ابن المدينى: شيخ ضعيف، وكان يحدث عن المقبرى، ونافع باحاديث منكرة.

وقال النسائى والدار قطنى: ضعيف.

وقال البخارى وغيره: منكر الحديث.

وقال على كان يحيى بن سعيد يستضعفه جدا ويضحك اذا

ذکره. (میزان الاعتدال ٥/٣٧١)

وقال ابن حجر ضعیف. (تقریب التهذیب ص٣٥٦)

وفی تهذیب التهذیب: قال ابوداؤد: له احادیث مناکیر، وقال نصر بن طریف ابومعشر اکذب من فی السماء ومن فی الارض، وقال الساجی: منکر الحدیث. (تهذیب التهذیب ١٠/٣٧٥)

وقال ابن الجوزی فی الموضوعات: طریق آخر: انبانا محمد بن ناصر......عن ابن عباس ؓ قال لما أخرجت جنازة سعد بن معاذ ؓ ...... ورأیت اختلاف اضلاعه فی قبره، هذا حدیث لایصح وآفته من القاسم قال احمد بن حنبل هومنکر الحدیث، وقال ابن حبان: کان یروی عن أصحاب رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم المعضلات. (الموضوعات: ٣/٢٣٣)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے، اس میں منکر راوی ہے، لہذا قابل اعتماد نہیں، پہلی سند میں ابومعشر پر سخت کلام ہے، اور انتہائی ضعیف راوی ہے، امام بخاری وغیرہ نے منکر کہا ہے، اور دوسری سند میں قاسم بن عبدالرحمٰن ہے، یہ بھی منکر ہے، لہذا یہ حدیث معتبر نہیں۔

ایک دوسری روایت بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

واخبرنا ابوعبد اللّٰه الحافظ قال حدثنا ابوالعباس، قال حدثنا احمد قال: حدثنا یونس عن ابن اسحاق قال حدثنا امیة بن عبد اللّٰه انه سال بعض أهل سعد ما بلغکم من قول رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم فی هذا؟

فقالوا : ذکر لنا أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سئل عن ذلک فقال: کان یقصر فی بعض الطھور من البول. (رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ٤/٣٠)

یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے اس میں چند رواۃ پر کلام ہے (۱) احمد بن عبد الجبار (۲) یونس بن بکیر (۳) ابن اسحاق.

وفي حاشية شعب الإيمان للبيهقي: والأثر ضعيف لأجل أحمد بن عبد الجبار العطاردی، ثم یونس بن بکیر وابن اسحاق کلاھما فیہ کلام وھذہ حکایۃ عن مجھول. (حاشیۃ شعب الایمان٢/٣٢٦)

قال الذھبی: احمد بن عبد الجبار العطاردی،ضعفہ غیر واحد قال ابن عدی رایتھم مجمعین علی ضعفہ، وقال مطین: کان یکذب وقال ابوحاتم:لیس بقوی. (میزان الاعتدال١/١١٢)

وقال ابن حجر:ضعیف. (تقریب التھذیب ص١٤)

خلاصہ یہ ہے کہ تین رواۃ پر کلام ہونے کی وجہ سے یہ انتہائی ضعیف ہے لہذا قابلِ اعتماد نہیں ۔ نیز اس قصہ کے بارے میں تیسری روایت ہے جو امام قرطبیؒ نے التذکرہ میں ذکر فرمائی ہے۔

وذکر ھناد بن السری،حدثنا ابن فضیل عن ابی سفیان عن الحسن قال اصاب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جرحۃ فجعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند أمۃ تداویہ فقال: إنہ مات من اللیلۃ فیکم رجل لقد اھتز العرش لحب لقاء اللّٰہ إیاہ فإذا ھو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فدخل رسول اللّٰہ

ﷺ فی قبره قال انه ضم فی القبر ضمة حتی صار مثل الشعرة فدعوت اللّٰه تعالی ان یرفه عند وذلک انه کان لایستبریء من البول. (التذکرة ص۱۵۸)

یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

قال ابن الجوزی فی الموضوعات هذا حدیث مقطوع فان الحسن لم یدرک سعدا وابوسفیان اسمه طریف بن شهاب الصفدی قال احمد بن حنبل ویحیی بن معین: لیس بشیء وقال النسائی متروک الحدیث وقال ابن حبان: کان مغفلا یهم فی الاخبار حتی یقلبها وحوشی سعد ان یقصر فیما یجب علیه من الطهارة. (الموضوعات۳/۲۳۴)

وعلی هامش شعب الایمان للبیهقی:

وقد ذکر القرطبی هذا الاثر فی کتابه التذکرة ......(قلت) هذا باطل وهو مع کونه منقطعا من روایة ابی سفیان وهو طریف بن شهاب. وقیل ابن سعد. وقیل ابن سفیان السعدی الامثل، وهو مجمع علی ضعفه، فقال احمد: لیس بشیء ولایکتب حدیثه، وقال ابن معین: ضعیف الحدیث وقال ابوحاتم: ضعیف الحدیث لیس بقوی، وقال البخاری: لیس بالقوی عندهم، وقال ابوداؤد: لیس بشیء وقال النسائی: متروک الحدیث. (حاشیة شعب الایمان۲/۳۲۷)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''ضغطة القبر'' کی وجہ ''تقصیر فی الاجتناب من البول'' بتائی گئی ہے وہ روایات صحیح نہیں ہیں بلکہ انتہائی

ضعیف ہیں اور قابلِ احتجاج نہیں، جبکہ جلیل القدر صحابی جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سید فرمایا، بخاری شریف میں ہے: قوموا إلی سیدکم. (صحیح البخاری ۵۳۷/۱) نیز فرمایا:

"إن حکمه قد وافق حکم الله" اور یہ بھی فرمایا: "إن عرش الرحمن اهتز لموته" یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے رحمٰن کا عرش ہل گیا لہٰذا صحیح روایات جو فضائل میں وارد ہوئی ہیں ان کا اعتبار ہوگا اور ضعیف روایات کا اعتبار نہیں ہوگا۔

یاد رہے کہ ضغطۃ القبر والی روایات صحیح ہیں۔ ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد: ۴۶/۳، وقال الهیثمی رواه احمد عن نافع عن عائشة، وعن نافع عن أنس رضی اللہ عنہ أن عائشة رض، وکلا الطریقین رجالها رجال الصحیح. والبیهقی فی دلائل النبوة: ۴/ ۴۶، بسند صحیح عن ابن عمرو صحیح ابن حبان: ۳۷۹/۷، وغیره لیکن اس سے مراد عذاب قبر نہیں بلکہ تنگی مراد ہے پھر وسعت ہوگئی چنانچہ علماء نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

اتحاف السادة المتقین میں ہے:

وروی البیهقی وابن منده والدیلمی وابن النجار عن سعید بن المسیب ان عائشة رض قالت یا رسول الله منذ یوم حدثتنی بصوت منکر ونکیر و ضغطة القبر لیس ینفعنی شیء قال یا عائشه ان اصوات منکر و نکیر فی اسماع المؤمنین کالاثمد فی العین وان ضغطة القبر علی المؤمن کالام الشفیقة یشکو إلیها ابنها الصداع فیتغمز رأسه غمزاً

رفیقاً ولکن یا عائشة ویل للشاکین فی اللّٰہ کیف یضغطون فی قبورھم کضغطة الصخرة علی البیضة. (اتحاف السادة المتقین ۱/۴۲۲)

شعب الایمان کے حاشیہ میں ہے:

وقال الذھبي: ھذہ الضمة لیست من عذاب القبر في شیء بل ھو أمر یجدہ المؤمن کما یجد ألم فقد ولدہ وحمیمه فی الدنیا، وکما یجد من ألم مرضه، وألم خروج نفسه، وألم سواله في قبرہ وامتحانه، وألم تأثرہ ببکاء أھله علیه، وألم قیامه من قبرہ، وألم الموقف وأھواله، وألم الورود علی النار ونحو ذلک.

فھذہ الأراجیف کلھا قد تنال العبد، ما ھي من عذاب القبر، ولا من عذاب جھنم قط، ولکن العبد التقي یرفق اللّٰہ به في بعض ذلک أو کله، ولا راحة للمؤمن دون لقاء ربه. (شعب الایمان:۲/۳۲۸)

(۵) حضرت زینب بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عذابِ قبر کی روایات بھی صحیح نہیں ہیں اوران کا اعتبار نہیں۔ ملاحظہ ہو:

التذکرة للقرطبی میں ہے:

عن زاذان أبی عمر قال: لما دفن رسول اللّٰہ ﷺ ابنته زینب رضؓ عند القبر فتربد وجھه، ثم سری عنه فقال له أصحابه: رأینا وجھک یارسول اللّٰہ تربد آنفا ثم سری عنک فقال النبی ﷺ ذکرت ابنتی وضعفھا وعذاب القبر فدعوت اللّٰہ ففرج عنھا وایم اللّٰہ لقدضمت

ضمة سمعها مابين الخافقين. (التذکرة للقرطبی ص ۱۱۱)

قال ابن الجوزی فی الموضوعات: هذا لایصح من جمیع طرقه.قال الدار قطنی:رواه الاعمش، واختلف عنه فرواه ابوحمزة السکری عن الاعمش عن سلیمان بن المغیرة عن انس، ورواه سعد بن الصلت عن الاعمش عن ابی سفیان عن انس، ورواه حبیب بن خالد الاسدی عن الاعمش عن عبد اللّٰه بن المغیرة عن انس والحدیث مضطرب عن الأعمش. وحوشیت زینب من مثل هذا.

(الموضوعات ۳/۲۳۲)

خلاصہ:یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ صحیح اور قابل اعتماد نہیں جبکہ حضرت زینبؓ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: یہ میری بیٹی دین کی خاطر سب بیٹیوں میں زیادہ ستائی گئی۔صرف ایک ہجرت کا واقعہ پڑھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ کتنی تکالیف برداشت کیں ۔حمل کی حالت میں نیزے برداشت کئے،حتی کہ حمل بھی ساقط ہوگیا پھر بھی عذابِ قبرکوتسلیم کرنا عقل سے بعید ہے اور سمجھ میں آنے والانہیں۔واللہ اعلم۔

(۶) حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مفسرین نے روایات نقل کی ہیں آیت کریمہ ''**ومنهم من عاهد اللّٰه لئن اتانا من فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين**'' کی تفسیر میں وہ تمام روایات صحیح اور قابل اعتماد نہیں جبکہ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور اصحاب بدر کے مستقل فضائل ومناقب ہیں انکے

ناموں میں اتنی تاثیر ہے کہ دعا قبول ہوتی ہے انکے بارے میں خوشخبری ہے ”اعملوا ماشئتم فقد وجبت لکم الجنة اوقد غفرت لکم“۔ (صحیح البخاری:۲/۲/۳۰۲۔ ومسلم۲/۲/۳۰۲)

لہذا ایسی روایات جن کی وجہ سے ان کی شان میں نقص آئے قابل احتجاج نہیں چاہے بڑے بڑے محققین اپنی کتابوں میں ذکر کریں لیکن پھر بھی ان روایات کا بیان کرنا درست نہیں، نہ مواعظ میں اور نہ قصص میں الا یہ کہ ان کے باطل ہونے کو واضح کر دے۔

جن علماء نے تردید کی ہیں ان کے چند اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔

قال الدکتوروھبه الزحیلی فی التفسیرالمنیر: ھناک قصة مشھورة بین الناس تروی فی سبب نزول ھذه الآیات ردتھا کتب التفسیر لم تصح لدی المحدثین، وھی ما اخرجه الطبرانی وابن مردویة وابن ابی حاتم والبیھقی فی الدلائل بسند ضعیف عن ابی امامة ان ثعلبة بن حاطب قال... الخ.

واخرجه ابن جریروابن مردویه عن ابن عباس نحوه.

والحقیقة ان ماروی عن ثعلبة غیر صحیح لدی المحدثین ثعلبة بدری أنصاری، وممن شھد اللّٰه له ورسوله بالإیمان. وذکرعن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی سبب نزول الآیة أن ثعلبة بن حاطب أبطأ عنه ماله بالشام، فحلف فی مجلس من مجالس الأنصار: إن سلم ذلک لأتصدقن منه، ولأصلن منه فلما سلم بخل بذلک، فنزلت، وھذا أیضاً غیر صحیح.

(التفسیر المنیر:۱۰/۳۱۸۔۳۱۹،ط: دمشق)

تفسیر ماوردی کے حاشیہ میں ہے:

ولم یثبت فی ذلک حدیث صحیح بل کل ماورد لم یصح سنده ولا متنه عند التحقیق بعد ان ضعف هذه الروایة کلا من الحافظ ابن حجر والبیضاوی والسیوطی وابن حزم والهیثمی وغیرهم فالعجب من ذکر المفسرین لهذه القصة بعد عدم ثبوتها وقد جمع احد الفضلاء ماقیل فی هذه القصة وفند اسانیدها فی رسالة بعنوان الشهاب الثاقب فی الذب عن الصحابی ثعلبة بن حاطب فراجعها فانها مهمة جدا.

(حاشیة التفسیر الماوردی للمحقق السید عبد المقصود بن عبد الکریم ۳۸۴/۲)

زادالمسیر کے حاشیہ میں ہے:

وخرجه الهیثمی فی المجمع: ۷ ۱۱ ۳ ـ ۳۲، وقال رواه الطبرانی وفیه علی بن یزید الالهانی وهومتروک وقال الحافظ ابن حجرفی تخریج احادیث الکشاف رواه الطبرانی والبیهقی فی الدلائل والشعب وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویه کلهم من طریق علی بن یزید الالهانی عن القاسم بن عبد الرحمن عن ابی امامة ، وقال وهذا اسناد ضعیف جداً. (حاشیه زاد المسیرلابن الجوزی ۴۸۴/۳)

وقال الامام محمد رشید فی تفسیر المنار :

وفی الحدیث اشکالات تتعلق بسبب نزول الآیات وظاهرسیاق القرآن انه کان فی سفرغزوة تبوک ، وظاهره انها نزلت عقب فرضیة الزکاة والمشهور أنها فرضت فی السنة الثانیة و فیه خلاف تقدم فی

تفسير قسمة الصدقات وبعدم قبول توبة ثعلبة وظاهر الحديث ولا سيما بكائه أنها توبة صادقة ، وكان العمل جارياً على معاملة المنافقين بظواهرهم و ظاهر الأيات أنه يموت على نفاقه ولا يتوب عن بخله وإعراضه وأن النبي صلى الله عليه وسلم وخليفتيه عاملاه بذلک لا بظاهر الشريعة ، وهذا لا نظيرله في الإسلام . (تفسيرالمنار:١٠/٥٦١)

صفوة التفاسیر کے حاشیہ میں ہے:

وهذا الذى ذكره المفسرون غير ثعلبة بن أبي حاطب الصحابي المشهور وإنما هذا رجل من المنافقين يسمىٰ ثعلبة والله اعلم .

(حاشية صفوة التفاسير:١/٥٥١)

حاشیۃ الشہاب کے حاشیہ میں ہے:

خبر ثعلبة اخرجه الطبرانى: ٧٨٧٣ وفى الطوال : ٢٠ والطبرانى ١٧٠٠٢ والبيهقى فى الدلائل : ٥/٢٩٠ والواحدى: ٥٢٧ من طريق معان بن رفاعة عن يزيد عن القاسم بن عبد الرحمن عن ابى امامة به مطولا،واسناده ضعيف جدا،معان بن رفاعه ضعفه ابن معين وغيره و على بن يزيد متروک الحديث ليس بثقة (حاشيه الشهاب ج٤ ص٦٠٤)

وشيخه القاسم ضعفه غير واحد وقال أحمد بن حنبل: هو منكر الحديث حدث عنه على بن يزيد اعاجيب وما اراها الا من القاسم، وقال ابن حبان كان يروى عن اصحاب رسول الله المعضلات . الموضوعات ص٢٣٣ ج٣) وقال الهيثمى فى المجمع ٣٢/٧ :رواه

الطبرانی وفیه علی بن یزید ، وهومتروک.(حاشیة الشهاب ٤/٦٠٤)

وفی معرفة الصحابة لابی نعیم:

ثعلبة بن حاطب الانصاری شهد بدراً ، وتوفی فی خلافة عثمان رضي الله عنه . وعلی هامشه: أخرجه ابن أبی عاصم فی الآحاد و المثانی: (٢٢٥٣)،و الطبرانی (٨/٧٨٧٣)،من طریق معان بن رفاعة به،وسنده ضعیف،علی بن یزید ضعیف، و القصة لاتصح البتة. (حاشیة معرفة الصحابة ١/٤١٦)

وقال الامام البیهقیؒ فی دلائل النبوة:

هذا حدیث مشهورفیما بین اهل التفسیروانما یروی موصولاً بأسانید ضعاف .(دلائل النبوة ٥/٢٩٢)

وقال ابن حجرؒ فی فتح الباری:

وجزم ابن الاثیرفی التاریخ بان اول وقت فرض الزکاة کان فی التاسعة...وقوی بعضهم ما ذهب الیه ابن الاثیربما وقع فی قصة ثعلبة ابن حاطب المطولة...لکنه حدیث ضعیف لایحتج به. (فتح الباری: ٣/٢٦٦)، وللمزید راجع: حاشیة قرة العینین علی تفسیر الجلالین،ص ۲۵۴.۲۵۶.

و قال المناوی فی فیض القدیر :

قال البیهقی فی اسناد هذا الحدیث نظر و هو مشهور بین اهل التفسیر و اشارة فی الاصابة الی عدم صحة هذا الحدیث فانه ساق هذا الحدیث فی ترجمة ثعلبة هذا ثم قال وفی کون صاحب هذه القصة ان

صح الخبر ولا أظنه يصح هو البدرى نظر . (فيض القدير٤/٥٢٧)

وقد ضعف القصة من المعاصرين العلامة احمد محمد شاكر، وشيخنا العلامة محمد الحافظ التجانى، والشيخ ناصر الدين الالبانى، فقال: ضعيف جداً. (ضعيف الجامع الصغير۴/١٢٥)

والسيد محمد رشيد رضا، كما اشار الى ضعفها ابن حمزة الحسينى: و قال ابن حزم:انا وقد روينا اثرا لايصح،وفيه انها نزلت فى ثعلبة بن حاطب وهذا باطل،لان ثعلبة بدرى معروف......واخرج الحديث من رواية معان بن رفاعة وقال:وهذا باطل لاشك......وفى رواية معان بن رفاعة،والقاسم بن عبد الرحمن،وعلى بن يزيد وهوابوعبد الملک الالهانى وكلهم ضعفاء ولايخفى ان ابن حزم قد تناول متن القصة اولا فابطله،ثم تناول السند فضعف رواته،فصارسند القصة ومتنها واهيين و هذا ماخلصنا اليه . (رسالة ثعلبة بن حاطب الصحابى المفترى عليه ص ٩٢ للدكتور عداب محمود الحمش)

حاصل یہ ہے کہ یہ قصہ تین حضرات سے مروی ہے:

(١)عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ

(٢)ابو امامه باهلی رضی اللہ عنہ

(٣)الحسن البصری موقوفاً اور تینوں سندوں میں ضعفاء ہیں لہذا یہ قصہ قابل اعتماد نہیں ہے۔

(ا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی سند میں سب رواۃ ضعیف ہیں؛ چنانچہ دکتور عداب

محمود نے رسالہ میں تینوں سندوں کی تحقیق فرمائی ہے اور تمام رواۃ پر کلام کیا ہے جن کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فاسناد هذا الحديث كما ترى لا يقوم به حجة و اذا قيل عن رواية الشافعي عن مالك عن نافع عن ابن عمر بانها سلسلة الذهب،فهذه سلسلة العوفيين سلسلة العجب!

كلهم ضعفاء،و بعضهم اشد ضعفا من بعض، و لا يثبت بمثل هذا الاسناد ثمن باقةبقل،فضلا عن اثبات ايمان،او نفيه،او اثبات الردة و النفاق !!

(۲) ابوامامہ باہلی ﷛ کی سند میں بھی اکثر ضعفاء ہیں مثلا: (۱) معان بن رفاعہ (۲) علی بن یزید (۳) قاسم یہ تینوں ضعیف ہیں کچھ کلام گزر چکا ہے۔

فاسناد هذا الحديث حديث أبي امامة الباهلي ﷛ ، فيه معان بن رفاعة و علي بن يزيد و القاسم بن عبد الرحمن و قد تفرد به القاسم عن أبي امامة ،و تفرد به علي بن يزيد عن القاسم،و تفرد به معان عن علي بن يزيد.

فالحديث منكر جداً، إذ لا يقبل تفرد واحد منهم .

قال العلامة أحمد شاكر معلقاً على هذا الخبر: و هو ضعيف كل الضعف ليس له شاهد من غيره ، وفي بعض رواته ضعف شديد. (تفسیر طبری: ۱۴/ ۳۷۳)

(۳) حضرت حسن بصریؒ سے موقوفاً مروی ہے اور اس میں اکثر ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو:

و هـذا الأثـر كـمـا تـرى موقوف على الحسن البصرىؒ من قوله، فهو لو صح اليه، لما كان فيه حجة ،اذ هو قول تابعي، وهذا الامر دين، و لا حـجة بـقول احد دون رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم إذا اصطدم باصل صحيح من أصول الدين.

و إذا نـحـن استثنينا في هذ الاثر الحسن البصرىؒ و ابن اسحاق ؒفـانـه لا تـقـوم حـجة بمن سواهما على خلاف فيما تفرد به ابن اسحاق ايضـا .فهـذا الاثـر ضـعيف، و اذا اخـذنا بقول المشددين في عمرو بن عبيـد، فيـكـون الاثـر مـوضـوعـاً مـنه على الحسن، فكيف نقرر به أمراً خـطيـراً فيـه الـطـعن على صحابي بدرى جليل؟ بل على بدريين اثنين؟ ثـعلبة بن حاطب، و معتب بن قشير. (ملخص از رسالہ ثعلبہ بن حاطب الصحابی المفتری علیہ ص۶۳ تا ۷۶)

یہ تو سند کے اعتبار سے بحث تھی لیکن متن کے اعتبار سے بھی یہ قصہ چند وجوہات کی بنا پر صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) بدری صحابہ کے فضائل ومناقب متواتر ہیں اس سے اس قصہ کا ٹکراؤ ہے۔

(۲) اصحاب قصہ میں اضطراب ہے کہ کس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اس میں چند اقوال ہیں:

۱۔ثعلبہ بن حاطب ۳۔حاطب بن ابی بلتعہ

۲۔ثعلبہ بن ابی حاطب ۴۔منافقین کا ایک گروہ

۵۔ نبتل ۶۔ثعلبہ رجل من المنافقين لا المشهور البدرى.

(۳) حضرت ثعلبہ کی وفات میں اختلاف ہے، جس کی وجہ سے اس قصہ کی تردید ہوتی ہے۔

۱۔ جن حضرات نے یہ قصہ بیان کیا انھوں نے ان کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تسلیم کی۔

۲۔ بعض نے کہا: احد میں شہید ہوئے۔

۳۔ بعض نے کہا: غزوۃ خیبر میں شہید ہوئے۔

(۴) یہ قصہ کتب صحاح، یا مسانید یا سنن میں مذکور نہیں اس کی وجہ سے بھی صحت بعید معلوم ہوتی ہے۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں شریک نہ ہونے والے منافقین کے عذر قبول فرمائے، نیز حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ جب نادم ہوکر روتے ہوئے آئے اور توبہ قبول نہ ہوئی، اس کی اسلام میں نظیر نہیں اور اصولِ دین سے متصادم ہے۔

(۶) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ، ان حضرات نے بھی قبول نہیں کیا، حالانکہ کسی کے بس میں نہیں ہے کہ کوئی عبادت کرنا چاہے اور دوسرا اس کو روکے اور تعجب کی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں سے قتال کیا اور جو زکوٰۃ ادا کرنے آیا اس کی زکوٰۃ قبول نہیں فرمائی!!!

(۷) مشہور یہ ہے کہ اسلام کے احکام لوگوں کے ظاہری حالات کے مطابق ہوتے ہیں جیسے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی منافق کی نمازِ جنازہ پڑھائی اپنا قمیص کفن کے لئے دیا صرف ظاہری اسلام کی وجہ سے ورنہ یقینی معلوم تھا کہ یہ

منافق ہے۔

(۸) یہ قصہ اس آیتِ کریمہ کے خلاف ہے: **إن الذین یکتمون ما أنزلنا ... إلا الذین تابوا و أصلحوا و بینوا فأولئک أتوب علیھم وأنا التواب الرحیم.** [سورة البقرة : ۱۶۰]

(۹) اس آیتِ کریمہ کے بھی خلاف ہے: **ألم یعلموا أن اللّٰہ ھو یقبل التوبة عن عبادہ و یأخذ الصدقات وأن اللّٰہ ھو التواب الرحیم.** [سورة التوبة : ۱۰۴]

(۱۰) جو حضرات کہتے ہیں کہ ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ بدری ہیں اور یہ ثعلبہ بن ابی حاطب ہیں، یہ بات درست نہیں کیونکہ اکثر روایات میں ثعلب بن حاطب ہیں یہ تفریق جن روایات میں مذکور ہے وہ ضعیف ہیں جن کی اسناد میں ابن الکلبی وعطیہ بن سعد مطعون وشیعہ راوی ہیں۔ (ملخص از رسالہ ثعلبہ بن حاطب ص۸۳ تا ۹۰)

مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:

رسالہ "**ثعلبہ الصحابی المفتری علیہ للدکتور عداب محمود الحمش**" نیز رسالہ "**الشھاب الثاقب فی الذب عن الصحابی ثعلبة بن حاطب**"۔

اس مقام میں تفصیل اس وجہ سے کی گئی ہے کی مقررین اپنی تقریروں میں بڑے مزے سے یہ واقعہ بیان کرتے ہیں نیز عامۃً مفسرین نے بھی بڑے شوق سے تفصیل کے ساتھ اپنی تفسیروں میں جگہ دی خصوصاً محقق ابن کثیر کا سکوت اس مقام پر تعجب خیز ہے!!!

اور اصلاح کی کتابیں چھپتی ہیں اُن میں بھی یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے مثلاً: ایک

کتاب جمعیت سے چھپی ہے ''تسہیل الاحادیث والاخلاق'' کے نام سے، اس میں بھی یہ واقعہ: بعنوان: ویلتھ ص۶۹ (wealth) مذکور ہے۔ حالانکہ حضرت ثعلبہ بدری صحابی ہیں اور یہ اُن پر بہتان ہے اس سے مکمل احتراز لازم ہے، مواعظ میں بھی نہ بیان کیا جائے مگر یہ کہ بطلان کو واضح کرے۔ واللہ اعلم۔

(۷) جد بن قیس الانصاری رضی اللہ عنہ۔

(۸) معتب بن قشیر العوفی الانصاری رضی اللہ عنہ۔

(۹) نبتل بن الحارث العوفی الانصاری رضی اللہ عنہ۔

ان تینوں صحابہ کو بھی اسی آیتِ کریمہ **و منهم من عهد الله لئن آتانا من فضله الخ** کے شانِ نزول میں متہم کیا گیا ہے۔ چنانچہ مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

تعدد الاقوال فی سبب نزول قوله تعالی: ومنهم من عهد الله الخ. ومع تعدد هذه الاقوال ،تعدد الاشخاص الذين اتهموا بالنفاق الذی كان سبب نزول الآية،فكان مع ثعلبه بن حاطب رض ثلاثة آخرون هم: الجد بن قيس السلمی الانصاری رض، ومعتب بن قشير العوفی الانصاری ونبتل بن الحارث العوفی الانصاری رض.

(از رسالہ ثعلبہ بن حاطب ص۹۵)۔

اس کا بھی اعتبار نہیں، محض شبہہ کی وجہ سے کسی صحابی پر نفاق کا حکم لگانا یا کسی تہمت سے متہم کرنا اہل حق کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:

أن ثعلبة بن حاطبؓ، و الجد بن قیسؓ، ومعتب بن قشیرؓ، ونبتل بن الحارثؓ رضی اللّٰہ عنھم صحابة مؤمنون،لا یجوز الحکم بالنفاق علی واحد منھم لمجرد وجود شبھة عند أھل الحق.

ان صحابة رسول الله ﷺ و بخاصة الذین ورد فی حقھم ثناء خاص او بشری، قد دخلوا فی الاسلام بیقین، وشھد لھم بذلک اللّٰہ و رسولہ ﷺ،فلا یجوز إخراج واحد منھم من الإسلام إلا بدلیل صریح صحیح یقطع العذر ، و یبرء الذمة امام الله تعالیٰ . (رسالة ثعلبہ ص ۲۲)

(۱۰) آیت کریمہ و لا أن تنکحوا أزواجه من بعده أبداً . [الاحزاب: ۵۳] کی تفسیر میں مفسرین حضرات نے ایک روایت نقل کی ہے،جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ سے نکاح کا ارادہ کیا تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ ملاحظہ ہو:تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وذکر ابن ابی حاتم بسنده عن السدی ان الذی عزم علی ذلک طلحة بن عبید الله رضی اللہ عنہ حتی نزل التنبیه علی تحریم ذلک . (تفسیر ابن کثیر: ۵۵۶/۳)

یہ روایت درست نہیں دوسرے علماء نے اس پر کلام کیا ہے اس وجہ سے کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں،ان کے بارے میں یہ بات کہنا درست نہیں،لہذا اس روایت کا اعتبار نہیں اور نہ اس روایت کو آیتِ کریمہ کے شانِ نزول میں پیش کرنا چاہئے، بلکہ صحیح تفسیر یہ ہے کہ بعض منافقین نے یہ بات کہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف

پہنچانے کی غرض سے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں:
تفسیر قرطبی میں ہے:

قلت و كذا حكى النحاس عن معمر أنه طلحة و لا يصح، قال ابن عطية لله در ابن عباس وهذا عندى لايصح على طلحة عبيد الله قال شيخنا الامام ابو العباس: وقد حكى هذا القول عن بعض فضلاء الصحابة ، وحاشا هم عن مثله و الكذب فى نقله و انما يليق مثل هذا القول بالمنافقين الجهال يروى ان رجلا من المنافقين قال حين تزوج رسول الله ﷺ ام سلمة ، وحفصة بعد خنيس بن حذافة مابال محمد يتزوج نسائنا و الله لوقد مات لأجلنا السهام على نسائه ، فنزلت الآيت فى هذا. (تفسير قرطبى: ۱۴/ ۱۴۷).

زاد المسیر کے حاشیہ میں ہے:

اخرج ابن سعد عن الواقدى عن عبد الله بن جعفر عن ابن عون عن ابى بكر ابن حزم فى هذه الآية قال نزلت فى طلحة قال اذا توفى رسول الله ﷺ تزوجت عائشة ، والواقدى متروك مع سعة علمه كما قال الحافظ ابن حجر فى التقريب ص ۳۱۳ . (حاشية زاد المسير: ٦/ ٤١٦).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ واقعہ دو سند سے مروی ہے (۱) ابن ابی حاتم؛ اس سند میں سدی پر کلام ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: رمی بالتشیع (التقریب ص۳۴) یعنی اس پر شیعہ ہونے کی تہمت ہے نیز یحییٰ بن معین اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے بھی تضعیف

کی ہے ملاحظہ ہو: (تہذیب تہذیب الکمال:۳/ ۱۳۵)۔

(۲) اور جو روایت ابن سعد کی ہے اس میں واقدی متروک راوی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا تقریب ص ۳۱۳۔ لھذا دونوں سندوں پر کلام ہے نیز مفسرین نے بھی اس واقعہ کی تردید کی ہے جیسے امام قرطبی ابن جوزی وغیرہ اس وجہ سے یہ روایت معتبر نہیں، خصوصاً جبکہ جلیل القدر صحابی کی شان کے خلاف ہے نیز علامہ سیوطیؒ نے بھی دفاع کرنے کی کوشش کی ہے اور فرمایا کہ طلحہ سے مشہور صحابی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں وہ مراد نہیں، بلکہ دوسرے صحابی طلحہ بن عبید اللہ بن مسافع مراد ہیں، ملاحظہ ہو (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۱۶) لیکن صحابی بہر حال صحابی ہے چاہے بڑا ہو یا چھوٹا، انکی شان میں اس قسم کے واقعات صحیح ماننا درست نہیں جبکہ روایات بھی ضعیف ہوں، واللہ اعلم۔

(۱۱) آیت کریمہ یا أیها الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ.. کے شانِ نزول میں اکثر مفسرین حضرات نے فرمایا ہے کہ فاسق کا مصداق حضرت ولید بن عقبہؓ ہیں۔ جبکہ ولید بن عقبہ ؓ صحابی ہیں اور ان کو قرآن کریم کی آیتِ کریمہ میں فاسق کا مصداق قرار دینا بہت بعید ہے۔

ملاحظہ ہو وہ روایت جس میں ولید بن عقبہ کو فاسق قرار دیا گیا:

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن علقمة بن ناجية قال: بعث إلينا رسول الله ﷺ الوليد بن عقبة بن أبي معيط يصدق أموالنا فسار حتى إذا كان قريباً منا وذلك بعد وقعة المريسيع فرجع ...حتى نزلت الآية: ﴿يا أيها الذين آمنوا إن جاء

كم فاسق بنبأ... ﴾(مجمع الزوائد:٧/١٠٩،دار الفكر).

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو روایات مفسرین نے نقل کی ہیں وہ ضعیف ہیں ان کا اعتبار نہیں۔ ان میں سے اکثر مجاہد قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ پر موقوف ہیں اور جو روایات مرفوع ہیں ان کی اسناد میں ضعیف رواۃ ہیں، مثلاً طبرانی کی ایک سند میں یعقوب بن حمید ہے۔

قال الهيثمي في "المجمع "(٧/ ١١٠،دارالفکر): **ضعفه الجمهور.**

دوسری سند میں عبداللہ بن عبدالقدوس التمیمی ہے۔

قال الهيثمي في "المجمع " (٧/ ١١٠،دارالفکر): **وقد ضعفه الجمهور.**

تیسری سند میں موسیٰ بن عبیدہ ہے۔ **قال الهيثمي في "المجمع "** (٧/ ١١١،دارالفکر): **وهو ضعيف.**

وضعفه النسائي و ابن المديني و ابن عدى.

وفيه ثابت مولى أم سلمة مجهول لم يذكر في كتب الرجال.

اور جو روایت مجاہد پر موقوف ہے اس میں عبداللہ بن سعید بن ابی مریم ہے۔

وهو ضعيف قاله الهيثمي. (مجمع الزوائد ٧/ ١١١).

قيل إسناد مسند أحمد صحيح: حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا محمد بن سابق ثنا عيسى بن دينار ثنا أبي أنه سمع الحرث بن ضرار الخزاعي رضی اللہ عنہ **قال: قدمت على رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم**... الخ.** (مسند أحمد:٤/ ٢٧٩).

لكن دينار والد عيسى مجهول، فكيف يكون صحيحاً ؟

قال في تحرير التقريب:

بل مجهول، تفرد بالرواية عنه ابنه عيسى بن دينار، ولم يوثقه سوى ابن حبان، لذلک ذکره الذهبی فی الميزان . (تحرير التقريب: ١/٣٨٢).

فلا اعتبار لهذه الرواية فمن قال: الإسناد صحيح فلا يلتفت إلى قوله .

شیخ شعیب الارنؤوط نے چند شواہد ذکر کیے ہیں لیکن سب ضعیف ہیں،ضعاف اور مراسیل کی تائید سے حدیث کو حسن بتلانا کیسے درست ہوگا جب کہ کسی صحابی پر الزام لگتا ہو؟ لہذا ان شواہد کا کوئی اعتبار نہیں۔ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عند الطبري أيضاً في "تفسيره" (٢٦/ ١٢٣-١٢٤)، والبيهقي فی "السنن الكبرى" (٩/٥٤-٥٥)، وفي إسناده الحسين بن الحسن بن عطية العوفي وأبوه وجده وهم ضعفاء .

وعن أم سلمة عند الطبري أيضاً (٢٦/١٢٣)، والطبراني: ٢٣/ (٩٦٠)، وفي إسناده موسى بن عبيدة، وهو ضعيف، وثابت مولى أم سلمة مجهول، ومع ذلک ذکره ابن حبان فی "الثقات" (٤/٩٥)، وقال: روى عنه أهل المدينة .

وعن جابر بن عبد اللّٰه عند الطبراني فی "الأوسط" (٣٨٠٩) وإسناده ضعيف.

وعن علقمة بن ناجية عند الطبراني في "الكبير" ١٨(٤)، وإسناده ضعيف كذلك . (تعليقات الشيخ شعيب على مسند الامام احمد: ٣٠/٤٠٥. ٤٠٦، رقم ١٨٤٥٩).

علاوہ ازیں ابوداؤدشریف کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ولید بن عقبہ بچے تھے رسول اللہ ﷺ نے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا لیکن ولید بن عقبہ کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا اس لئے کہ ان کی ماں نے جو خوشبو ان کے سر پر لگائی تھی وہ آپ ﷺ کو پسند نہیں تھی۔ ملاحظہ ہو:

عن الوليد بن عقبة رضي الله عنه قال لما فتح نبی اللهﷺ مكة جعل أهل مكة يأتونه بصبيانهم فيدعو لهم بالبركة ويمسح رؤسهم قال فجيئى بي إليه وأنا مخلق فلم يمسنى من أجل الخلوق. (رواه ابوداؤد:٢/٢٢٣،باب فی الخلوق للرجال،ط:امدادیه ملتان).[وسكت عليه أبوداود، قال أبوداود فی رسالته الى اهل مكة: ومالم أذكرفيه شيئاً فهوصالح وبعضها اصح من بعض]. (المقدمةلسنن ابی داود،ص:١).

وقد سكت عنه الإمام أبوداود لكن قال الشيخ عبدالفتاح أبوغدة نقلاً عن الحافظ ابن حجر فی النكت على مقدمة ابن الصلاح:

ومن هاهنا يتبين أن جميع ماسكت عليه أبوداود لايكون من قبيل الحسن الاصطلاحي بل هوعلى أقسام (١)منه ماهوفی الصحيحين (٢) أوعلى شرط الصحة (٣) ومنه ما هومن قبيل الحسن لذاته (٤) ومنه ما هو من قبيل الحسن إذا اعتضد وهذان القسمان كثير

في كتابه جداً (٥) ومنه ما هو ضعيف لكنه من رواية من لم يجمع على تركه غالباً وكل هذه الأقسام تصلح للاحتجاج بها. (تعليقات القواعد فى علوم الحديث للشيخ عبدالفتاح ابوغدة،ص٨٥،ط:دارالسلام) .

وأيضاًرواه الإمام أحمد في "مسنده"(٣٠٥/٢٦،رقم :١٦٣٧٩)،قال الشيخ شعيب في تعليقاته: إسناده ضعيف، لجهالة عبد اللّٰه الهمداني وهو أبوموسىٰ، فقد انفرد بالرواية عنه ثابت بن الحجاج الكلابى، وجهله الذهبى وابن حجر فى "التقريب"، وقال البخارى فى "التاريخ الكبير"(٢٢٤/٥): لايصح حديثه ، وقال ابن عبدالبر: أبوموسىٰ هذا مجهول، والخبرمنكر لايصح ...الخ .

ورواه الطبرانى فى "الكبير"(٤٠٨/١٥١/٢٢)، وقال:هكذا رواه زيدبن أبي الزرقاء عن جعفر عن ثابت بن الحجاج عن عبد اللّٰه الهمدانى (عن أبي موسىٰ)عن الوليدبن عقبة، والصواب عن عبد اللّٰه الهمدانى أبي موسىٰ عن الوليد بن عقبة، والطحاوى فى"شرح مشكل الآثار" (٢٥٢/٣/رقم ٥٢٣٩) ، وابن عمرو الشيباني فى الآحاد والمثانى (٥٦٤/٤٠٦/١) وقال عن أبي موسى عبد اللّٰه الهمدانى عن الوليدبن عقبة، وابن عساكرفى "التاريخ " (٢٢٥/٦٣) ،وقال: وعندى ان عبدالله الهمدانى هو أبوموسىٰ يدل على ذلک مااخبرنا...قال ابن أبى خيثمة :أبوموسىٰ الهمدانى اسمه عبدالله وهذا حديث مضطرب الإسناد ولايستقيم عند أصحاب التواريخ أن الوليد كان يوم فتح مكة صغيراً،

والحافظ البغدادی فی ”معجم الصحابة“ (ص:۵۲۱۸،رقم ۲۰۹۷) عن ابن أحمد عن أبیه أحمد بن حنبل .

وللمزید من البحث انظر: (العواصم من القواصم للشیخ ابن العربیؒ (۴۶۸۔۵۴۳ھ)بتحقیق محب الدین الخطیب: ۹۲،۹۳،ط:سهیل اکیدمی).

آپ ﷺ کی وفات فتح مکہ کے دو سال بعد ہوئی تو کیا ایک دو سال میں وہ حضرت مریم کی طرح اتنے بڑے ہوگئے کہ ان کو عامل بنا کر بھیجا گیا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ولید بن عقبہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ منورہ اپنی بہن ام کلثوم کو لینے گئے تھے،اور یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے،اگر وہ فتح مکہ کے موقع پر بچے تھے تو کیسے بہن کو لینے کے لیے گئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ حدیث اور تاریخ کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے لیکن ضعیف اور کمزور ہے،اس سے استدلال ناتمام ہے۔واقعہ ملاحظہ ہو:

روی الحاکم (م۳۲۱۔۴۰۵ھ) فی ”المستدرک“ (۷۸/٤، رقم: ٦٩٢٧، ذکر ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنها) بسنده فقال: حدثنا أبوعبداللّٰہ الأصبهاني ثناالحسن بن الجهم ثنا الحسن بن الفرج ثنامحمدبن عمر قال: لایعلم قرشیة خرجت من بیت أبویهامسلمة مهاجرة إلی اللّٰہ ورسوله إلا أم کلثوم بنت عقبة ، خرجت من مکة وحدها، وصاحبت رجلاً من خزاعة حتی قدمت المدینة فی هدنة الحدیبیة، فخرج في أثرها أخواها الولید وعمارة فقدما وقت قدومها فقالا: یامحمد فِ لنا بشرطنا وما عاهدتنا علیه، ...الخ.

یہ روایت ضعیف ہے اولاً تو محمد بن عمر الواقدی پر بہت کلام ہے امام بخاری وغیرہ نے متروک کہا ہے، اور اس میں انقطاع ہے، دوسرے راوی حسین بن فرج پر بھی کلام ہے، یحیی بن معین نے کذاب فرمایا، امام ابوزرعہ نے "ذهب حديثه، ليس بشيء" فرمایا۔

مزید ملاحظہ ہو: (الكاشف: ۲/۲۰۵، ترجمة: ۵۰۷۸، و كتاب الضعفاء لابن الجوزى: ۱/۲۱٦، ترجمة: ٩٠٦).

ورواه البيهقي في "السنن الكبرى" (٩/٢٢٩، باب نقض الصلح) بسنده عن الزهري وعبد الله بن أبي بكر.

قلت: فيه أحمد بن عبدالجبار وهو ضعيف، قال ابن عدى فيه: رأيت أهل العراق مجتمعين على ضعفه لأنه حدث عن من لم يلقه. وقال أبوحاتم الرازى: ليس بالقوي، قال الحافظ: وقد ضعفه جماعة.

وللمزيد من البحث انظر: (الميزان: ۱/۱۱۲، ترجمة: ۴۴۳، والضعفاء لابن الجوزى: ۱/۷۵، ترجمة: ۱۹۵، واللسان: ترجمة: ۲۲۲۹، والتقريب، ص ۱۴).

طبرانی وغیرہ میں ایک اور سند کے ساتھ یہ واقعہ مذکور ہے لیکن اس میں ایک راوی عبدالعزیز بن عمران ضعیف ہے۔

قال الهيثمي فى "المجمع" (٧/١٢٣، سورة الممتحنة، دارالفكر): رواه الطبراني وفيه عبد العزيز بن عمران وهوضعيف.

نیز یہ واقعہ: " معرفة الصحابة: (٣/١٠٤)، ترجمة ۱۵۷۵ـ عبد الله بن أبي أحمدبن جحش، والطبقات الكبرى لابن سعد: (٨/٢٣١)، ترجمة أم

کلثوم، دارصادربیروت، وتفسیرابن کثیر: (٣٧٠/٤)، سورۃ الممتحنۃ، وتاریخ دمشق :(٣٥٨/٢٩)، والآحاد والمثانی:(٤٩٧/١)، رقم: (٦٠٩)، وأسد الغابۃ:(٦٧/٣)" وغیرہ میں سند کے ساتھ مذکور ہے لیکن سند ضعیف اور منقطع ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے بنابریں یہ واقعہ مخدوش ہے۔

علی سبیل التنزل اگر صحیح تسلیم کرلیا جائے تب بھی ولید بن عقبہ کے فتح مکہ کے موقع پر بچے ہونے میں فرق نہیں آئیگا، اس لیے کہ ولید بن عقبہ کا یہ سفر اپنے بھائی کی رفاقت میں ہوا تھا، لہذا عمارہ اصل تھے اور ولید تابع اور بچے تھے، اور بڑے بھائی کی رفاقت میں عام طور پر چھوٹے بھائی کا سفر ہوتا ہے اس سے ان کا بڑا ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ العواصم، ص٩٣ کے حاشیہ میں مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

وأصل هذا الخبر إن صح مقدم فيه اسم عمارة على اسم الوليد، وهذا ممايستأنس به في أن عمارة هو الأصل في هذه الرحلة وأن الوليد جاء في صحبته، و أى مانع يمنع قدوم الوليد صبياً بصحبة أخيه الكبير كما يقع مثل ذلک في كل زمان ومكان ؟

یہ بھی یادرہے کہ تمام روایات میں عمارہ مقدم نہیں ہے، بلکہ حاکم، بیہقی وغیرہ کی روایات میں ولید مقدم ہے اور معرفۃ الصحابہ، ابن کثیر وغیرہ کی روایات میں عمارہ مقدم ہے۔

اگر ابوداود کی روایت ضعیف ہو اور بالفرض ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ مراد ہو تو قرآن کے سیاق اور درمنثور کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ کے کچھ شیطان قسم کے لوگ آئے اور ان کو بتلایا کہ قبیلہ والے آپ کے درپئے آزار ہیں تو حضرت ولید آئے اور

آپ ﷺ کو بتلا دیا۔ ملاحظہ ہو درمنثور میں ہے:

عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: بعث النبی ﷺ الولید بن عقبة إلی بنی المصطلق یصدق أموالهم فسمع بذلک القوم فتلقوه یعظمون أمر رسول الله ﷺ فحدثه الشیطان أنهم یریدون قتله، فرجع إلی رسول الله ﷺ فقال: إن بنی المصطلق منعوا صدقاتهم، فبلغ القوم رجوعه، فأتوا رسول الله ﷺ، فقالوا: نعوذ بالله من سخط الله وسخط رسوله بعثت إلینا رجلا مصدقاً فسررنا لذلک وقرت أعیننا ثم أنه رجع من بعض الطریق فخشینا أن یکون ذلک غضباً من الله ورسوله ونزلت: ﴿یایها الذین آمنوا إن جاء کم فاسق بنبأ...﴾ الآیة. (الدر المنثور: ۷/۵۵٦، ط: دار الفکر).

پھر آیت کا مطلب یہ ہوگا: اے ایمان والو یعنی ولید رضی اللہ عنہ یا کوئی اور اگر آپ کے پاس فاسق یعنی کافر خبر لائے تو اس کی تحقیق کرو اور بے تحقیق اس کو قبول مت کرو۔

اور روایات میں بھی اضطراب ہے مثلاً بعض میں ہے کہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور بعض میں رجل کا لفظ آیا ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تحقیق کے لئے بھیجا وہ گئے اور اس بستی کی اذان سنی اور بعض روایات میں آتا ہے کہ زکوٰۃ کا مال جمع کر کے وہ لوگ خود حضور ﷺ کے پاس آئے اور بعض روایات میں آتا ہے ان کے سردار حضرت حارث بن ضرار الخزاعی رضی اللہ عنہ نے خود زکوۃ جمع کروائی اور اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے لہذا روایات کا اضطراب بھی ضعفِ واقعہ کی دلیل ہے۔

یہ تمام روایتیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں درمنثور ج ۷، تاریخ مدینہ دمشق ج ۶۳، طبرانی کبیر ج ۳، اور مجمع الزوائد ج ۷، وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کو مطعون کرنے میں ضعیف روایات کا اعتبار نہیں اور صحابی پر فسق کا حکم لگانا اہلِ سنت کے نزدیک جائز نہیں جیسے امام رازیؒ نے فرمایا: ''ویتاکد ماذکرنا ان اطلاق لفظ الفاسق علی الولید شیء بعید'' . (التفسیرالکبیر:۲۸/۱۱۹).

قال الشيخ عبد الرحمن محمد سعيد في كتابه''أحاديث يحتج بها الشيعة''(ص:۵٤۲):

أورد ابن كثيرؒ أقوالاً لمجاهدؒ وقتادةؒ وابن أبي ليلىٰؒ، وكلها روايات مرسلة وهذه المرسلات لاتصح لإثبات تهمة الفسق على صحابي فإننا لانقبلها في أحكام الطهارة ولا الصلاة، فكيف نقبلها في جرح خيار هذه الامة ؟

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خلاصہ کلام:

(۱) ولید بن عقبہ کے بارے میں اکثر روایات ضعیف اور مرسل ہیں، عقائد میں ان کا اعتبار نہیں۔

(۲) قرآنِ کریم کی اصطلاح میں اکثر وبیشتر فاسق کافر کو کہتے ہیں۔ چند مثالیں بطورِ ''مشتے نمونہ ازخروارے'' درجِ ذیل ہیں:۔

قال الله تعالىٰ: ﴿ففسق عن أمر ربه﴾ وقال: ﴿وأما الذين فسقوا ففى النار﴾ وقال: ﴿إن الله لايهدى القوم الفاسقين﴾ وقال: ﴿أفمن كان

مؤمناً كمن كان فاسقاً﴾ فكان الفاسق في اصطلاح القرآن هو الكافر، والفاسق بمعنى المؤمن العاصي اصطلاح حديث للفقهاء رحمهم الله تعالیٰ. نعم ورد في بعض مواضع القرآن.

(۳) ووليد اعتمد عليه الشيخان وكان عمل الإمارة خمس سنين. اوران حضرات نے ولید پرفسق کا الزام نہیں لگایا۔

(۴) ولو أن المراد الوليد لقيل: ياأيها النبي إن جاءك فاسق بنبأ... کیونکہ بقولِ مفسرین حضرت ولید نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت فرمائی کہ جن کے پاس آپ نے مجھے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا وہ تو میری جان کے درپے تھے۔

(۵) ووليد صحابي كيف يكون فاسقاً بالنص والصحابة كلهم عدول مبرؤون عن الفسق.

(٦) فتح مکہ کے موقع پر بچے تھے تو ایک دو سال میں اتنے بڑے ہو گئے، ابوداود شریف کی روایت سے بچہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (یہ جواب احتمال کے درجہ میں ہے)

لیکن اس پر چند اشکالات ہیں:

(الف) روایت پر کلام ہے جو ماقبل میں گزر چکا ہے۔

(ب) جب ان کی بہن نے مسلمان ہو کر ہجرت فرمائی تو ان کو واپس لانے کے لیے یہ اپنے بھائی کے ساتھ گئے تھے بہن کی واپسی کے لیے اتنے دور مدینہ منورہ چھوٹے بچے کو بھیجنا بعید ہے اگر چہ اس کی سند پر بھی کلام ہے جو ماقبل میں گزر چکا۔

(ج) ولید بن عقبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے

عہد میں بلادِ قضاعہ کے عامل رہے۔ (طبری) معلوم ہوا کہ ان کی عمر بڑی تھی نیز حضرت عمرؓ نے بھی ان کو اہم عہدوں پر فائز فرمایا تھا ان قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ابوداود شریف کی روایت صحیح نہیں ہے۔ اور ولید بن عقبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑے تھے۔

(۷) ولید خبر لانے سے قبل کہاں فاسق تھے؟ جب کہ اس سے پہلے ان سے کوئی فسق ثابت نہیں۔ بالفرض اگر پہلے سے فاسق ہوں تو کیا فاسق کو اتنا نازک عہدہ سپرد کرنا درست ہے؟

(۸) خطا اجتہادی میں کیسے فاسق ہو گئے؟ کیونکہ استقبال کنندہ کو دشمن سمجھنا اجتہادی خطا تھی۔

(۹) خبر لانے والے کے بارے میں روایات میں اضطراب ہے، جو ہم نقل کر چکے ہیں۔

اشکال: اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ روایات میں اضطراب اور ضعف ہے لیکن کثرتِ طرق کی وجہ سے اتنی بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیتِ کریمہ کا شانِ نزول ولید بن عقبہ ہیں؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آیتِ کریمہ کے شانِ نزول میں ولید بن عقبہ مراد ہیں تو بھی اس کا مطلب یہ ہے کہ ولید بن عقبہ "**یا أیها الذین آمنوا**" کا مصداق ہیں فاسق کا مصداق شیطان خصلت آدمی ہے جس نے یہ فتنہ انگیز خبر پہنچائی اور اس حصہ میں اضطراب بھی نہیں ہے اور قرآن کریم کے سیاق وسباق کے ساتھ بھی

موافق ہے۔

(۱۰) اگر ولید مراد ہو تو آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کچھ شیطان قسم کے لوگوں نے آکر ولید کو بتایا کہ قبیلہ کے لوگ آپ کے درپئے آزار ہیں تو حضرت ولید نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا۔ (درمنثور)۔

(۱۱) اگر فاسق سے حضرت ولید مراد ہوں تو صحابہ کرامؓ کے بارے میں بعد والی آیت اس کے منافی ہو جائے گی: ﴿ولکن اللّٰہ حبب إلیکم الإیمان وزینه في قلوبکم وکره إلیکم الکفر والفسوق والعصیان أولئک هم الراشدون﴾ اللہ تعالیٰ نے سب صحابہ کے لیے ایمان کو محبوب بنایا اور ان کے دلوں میں آراستہ کیا اور کفر و فسق اور معصیت کو ان کے لیے مبغوض بنایا یعنی صحابہ فاسق نہیں وہ فسق سے نفرت کرنے والے ہیں۔ اس لیے حضرت ولید صحابیؓ نے جو فاسق شیطانی صفت آدمی کی خبر قبول کی وہ فسق سے محبت کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ خطا اجتہادی تھی۔

یہ مطلب لیا جائے تو "لکن" کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے اس لیے کہ "لکن" کا مابعد اس کے ماقبل کے ساتھ منافی ہوتا ہے، نیز "لکن" ماقبل سے پیدا شدہ وہم کو دور کرنے کے لیے آتا ہے تو یہاں ماقبل میں فاسق کی خبر کو قبول کرنا فسق سے محبت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ صحابہ کے دلوں تو اللہ تعالیٰ ایمان کو سجایا اور فسق و کفر سے نفرت رکھی۔ یہ تو اجتہادی خطا تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے:

حضرت ولید بن عقبہ بالاتفاق صحابی ہیں، فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام

ہوئے۔ بڑے بہادر مجاہد، سخی اور شاعر تھے۔

ولید بن عقبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے نواسے اور حضرت عثمانؓ کے ماں شریک بھائی ہیں، حضرت عثمانؓ کے زیر تربیت رہ چکے ہیں، ڈھائی سال صحبتِ نبوی سے فیض یاب ہونے کا موقعہ ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ میں اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں:

وكان مع فسقه ۔ والله يسامحه ۔ سخياً ممدحاً شاعراً شجاعاً قائماً بأمر الجهاد . (سير اعلام النبلاء:٣/٤١٥).

ہم کہتے ہیں فاسق وہ نہیں تھے ان تک غلط خبر پہنچانے والے فاسق تھے۔

ابن اثیر فرماتے ہیں: **وأقام عليها خمس سنين هو من أحب الناس إلى أهلها** . (الكامل:٣/٨٣، ذكر عزل سعد عن الكوفة وولاية الوليد).

دوسری جگہ فرماتے ہیں: **وأنه كان محبوباً إلى الناس فبقي كذلك خمس سنين وليس لداره باب** . (الكامل، ذكر عزل الوليد عن الكوفة وولاية سعيد).

ابن جریر طبری نے بھی یہی لکھا ہے۔ اور جب ان کو معزول کیا گیا تو مؤرخین نے لکھا ہے: **ولقد تفجع عليه الأحرار والمماليك**" (تاريخ الامم والملوك: ٢/٦١٢، ط: بيروت، ومختصر تاريخ مدينة دمشق:٨/٨٦). یعنی ان کی معزولی پر غلام اور آزاد سب مغموم تھے ولید کی جگہ حضرت عثمان نے سعید بن العاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا لیکن لوگ یہ کہتے رہتے تھے:

يا ويلتا عزل الوليد ☆ وجاءنا مجوعاً سعيد

ينقص في الصاع ولا يزيد ☆ فجوع الإماء والعبيد

(تاريخ الامم والملوك:٢/٦١٢،ط:بيروت،ومختصرتاريخ مدينة دمشق:٨/٨٦).

یعنی سعید بن العاص آئے اور ہمیں بھوکا مارا ہائے افسوس حضرت ولید معزول ہوئے۔

ہم مولانا بشیر احمد حصاری کی کتاب ''عثمان ذوالنورین'' (ص٢٧٤) سے ان کے مناقب کا خلاصہ نقل کرتے ہیں:

''وہ حلیم الطبع وسیع الظرف بہادر سلیقے مند تھے، (استیعاب) وہ انتہائی سخی لوگوں میں محبوب پانچ سالہ گورنری میں ان کی محبوبیت میں فرق نہیں آیا، ایک مرتبہ شعبی ولید بن عقبہ کے پوتے کے پاس بیٹھے تھے تو محمد نے مسلمہ بن عبدالملک کی بہادری کا ذکر کیا جو بنوامیہ کے مشہور فاتح اور سپہ سالار تھے تو شعبیؒ نے کہا اگر آپ ولید بن عقبہ کی حکمرانی اور جہاد کا مشاہدہ کرتے تو کسی اور کا تذکرہ نہ کرتے یہاں تک کہ ان کو ان کے منصب سے برطرف کیا گیا۔

درجِ ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ ملاحظہ فرمائیں:

(الاصابة فی تمیز الصحابة: ٦/٤٨١/٩١٦٧،ومعجم الصحابةلابن قانع البغدادی: ١٤/ ترجمة: ١١٥٤، ومعرفة الصحابة لأبي نعيم الاصبهانی: ٤/٣٦٨/٢٩٦١،وتهذيب الكمال للإمام المزی: ٣١/٥٣/٦٧٢٣، ومسنداحمد، والاستیعاب: ٤/١٥٥٢، وتاریخ ابن عساكر: ١٧/٤٣٤، وسير اعلام النبلاء: ٣/٤١٢، وتاريخ مدينة دمشق، وتاريخ الامم والملوك، وغيرها من كتب التاريخ والأخبار والأدب). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۱۲) ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ خلافت کو کیا ہوگیا کہ ایسے لوگوں میں چلی گئی جو قریش میں سب

سے قلیل اور ادنی درجہ کے ہیں؛ یعنی ابوبکرؓ، خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو ان کے خلاف فوج تیار کرلوں... الخ . حدیث کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

عن أبي الشعثاء الكندي عن مرة الطيب قال: جاء أبو سفيان بن حرب ﷺ إلى علي بن أبي طالب ﷺ فقال: ما بال هذا الأمر في أقل قريش قلة و أذلها ذلة يعني أبابكر و الله لئن شئت لأملأنها عليه خيلاً و رجالاً فقال علي: لطالما عاديت الإسلام و أهله يا أباسفيان، فلم يضره شيئاً إنا وجدنا أبابكر لها أهلاً .

یہ روایت مستدرک حاکم میں (۴۴۶۲/۸۳/۳) پر اور فضائل الخلفاء لابی نعیم میں (رقم ۱۹۲) پر ہے، لیکن اس کی سند میں ابوالشعثاء یزید بن مہاصر (فتح الباب فی الکنی والالقاب میں ''المہاجر'' ہے) الکندی الکوفی مجہول راوی ہے ،امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں (۳۸۳/۸) پر اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں (۲۸۷/۹) پر اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن کوئی جرح یا تعدیل مذکور نہیں۔

نیز ابوالشعثاء نامی چند افراد ہیں جن میں (۱) سلیم بن اسود المحاربی الکوفی ثقہ اور بخاری کے راوی ہیں۔ (۲) جابر بن زید تابعی ازدی بصری ابوالشعثاء، یہ بھی بخاری کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں ۔(۳) علی بن حسن بن سلیمان حضرمی واسطی بصری ابوالشعثاء یہ مسلم کے راوی ہیں ۔(۴) یزید بن مہاصر کندی کوفی یہ غیر معروف ہے، امام بخاری اور امام ابن ابی حاتم نے اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن مجہول الحال ہے ۔اور بھی چند ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتح الباب فی الکنی والالقاب :۴۲۰/۱، وتہذیب الاسماء ۲۶۲/۷، وسیر اعلام النبلاء :۴۸۱/۴، وتہذیب الکمال :۳۴۰/۱۱)۔

دوسری روایت مصنف عبدالرزاق میں (۴۵۱/۵) پر اور تاریخ طبری میں (۲۰۹/۳) پر اور الاستیعاب میں (۱۶۷۹/۴) پر ہے، اس کی سند میں ابن ابجر تبع تابعی ہے اس نے صحابہ کو نہیں پایا اس لیے یہ روایت منقطع ہے۔

تیسری روایت تاریخ دمشق میں (۴۶۴/۲۳) پر ہے اور اس کی سند میں زیاد بن عبدالرحمٰن ابوالخصیب مجہول ہے۔ (میزان الاعتدال: ۹۲/۲)۔

چوتھی روایت انساب الاشراف میں (۵۸۸/۱) پر ہے، اس کی سند میں واقدی متروک راوی ہے۔ (میزان الاعتدال: ۶۶۵/۳)۔

پانچویں روایت بلاذری کی انساب الاشراف میں (۵۸۸/۱) پر مذکور ہے، اس کی سند میں ربیع بن صبیح کا شیخ مجہول ہے۔ صحابی جلیل کی سیرت اس کی طرح کی ضعیف روایات سے مخدوش و مجروح نہیں ہوسکتی۔

حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی اور جرنیل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ میں یہ اعلان فرمایا تھا: ”من دخل دار أبي سفيان فهو آمن“ جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو ہماری جانب سے امان ہے، ان کی ایک آنکھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں غزوۂ طائف میں شہید ہوئی تھی اور دوسری آنکھ جنگِ یرموک میں، جنگِ یرموک میں سب آوازیں خاموش تھیں اور ایک آواز بلند ہو رہی تھی کہ اے اللہ کی مدد قریب آ جاؤ! یہ آواز لگانے والے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اس جہاد کا جھنڈا ان کے بیٹے یزید بن ابی سفیان کے پاس تھا۔ (الاصابہ: ۳۳۴/۳)۔

تنبیہ: بعض حضرات کوراوی کے بارے میں کچھ مغالطہ ہوا ہے اوراس روایت کوصحیح کہاہے، چنانچہ بعض نے ابوالشعثاء کی توثیق کی ہے اور بخاری کا راوی تسلیم کرلیا ہے جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہے دونوں میں فرق ہے اور بعض نے عبدالرزاق وطبری کی سند میں ابن ابجر کوابن الحر جوکبارتابعین میں سے ہے کہہ کرصحیح قرار دیا ہے حالانکہ یہ وہم ہے۔(تاریخ طبری:۲/۲۳۷،ط:دارالکتب العلمیۃ)۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (المقتنی فی سرد الکنی: ۱/۳۰۵،للامام الذهبی،وتبصیر المنتبه بتحریر المشتبه:۴/۱۳۲۶، والکنی و الأسماء لمسلم: ۸/۴/ ۱۶۰۰، وتهذیب الأسماء، جلد ۱، ۴و۷،وفتح الباب فی الکنی و الألقاب: ۱/۴۲۰). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۱۳) مال کے سلسلے میں معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

پہلا اعتراض: مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب وسنت کی رو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم کیے جانے چاہییں جولڑائی میں شریک ہوئی ہو ،لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لیے الگ نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم کیا جائے۔(خلافت وملوکیت:۱۷۴)۔

الجواب: مذکورہ بالا واقعہ سے متعلق جتنی روایات ہیں ان سب پر کلام ہے، بنابریں ضعیف روایات کا سہارا لے کر صحابی جلیل پر الزام لگانا صریح بے انصافی اور علمی خیانت ہے۔ روایات کی تحقیق حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

(۱) قال ابن سعد: أخبرنا إسحاق بن يوسف الأزرق قال حدثنا هشام بن حسان (مدلس) عن الحسن أن زياداً بعث الحكم بن عمرو على خراسان ففتح الله عليهم وأصابوا أموالا عظيمة فكتب إليه زياد أما بعد فإن أمير المؤمنين كتب إلي أن أصطفي له الصفراء والبيضاء فلا تقسم بين الناس ذهباً ولا فضةً. (الطبقات الكبرى:۲۸/۷).

(۲) قال ابن عبد البر: حدثنا أحمد حدثنا أبي حدثنا عبد الله حدثنا بقي حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا ابن علية عن هشام (مدلس) عن الحسن قال كتب زياد الحكم بن عمرو الغفاري وهو على خراسان أن أمير المؤمنين كتب إلي أن أصطفي له الصفراء والبيضاء فلا تقسم بين الناس ذهباً ولا فضةً. (الإستيعاب: ۱۰۵/۱).

(۳) قال الحاكم: فحدثني أبوبكر بن بالويه ثنا محمد بن أحمد بن النضر ثنا معاوية بن عمرو عن أبي إسحاق الفزاري عن هشام (مدلس) عن الحسن قال: بعث زياد الحكم بن عمرو الغفاري على خراسان فأصابوا غنائم كثيرة، فكتب إليه أما بعد فإن أمير المؤمنين كتب أن يصطفى له البيضاء والصفراء ولا تقسم بين المسلمين ذهباً

و لا فضةً. (المستدرک علی الصحیحین: ۳/۵۰۰).

ان روایات میں ہشام بن حسان مدلس ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی، لہٰذا یہ روایات قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔

(۴) قال ابن جرير الطبري: حدثني عمر قال حاتم بن قبيصة(مجهول) قال حدثنا غالب ابن سليمان عن عبد الرحمن بن صبح قال كتب إليه زياد: و اللّٰه لئن بقيت منک طابقاً سحتاً و ذلک أن زياداً كتب إليه لما ورد بالخبر عليه بما غنم: أن أمير المؤمنين كتب إلي أن أصطفي له صفراء وبيضاء و الروائع فلا تحركن شيئاً حتى تخرج ذلک. (تاريخ الطبري: ۵/۲۵۱).

اس کی سند میں حاتم بن قبیصہ مجہول ہیں اور ابن جریر طبری پر تشیع کا الزام ہے۔

(۵) و كان زياد قد كتب إليه (حكم بن عمرو الغفاري) إن أمير المؤمنين أمرني أن أصطفي له الصفراء و البيضاء فلا تقسم بين الناس ذهباً و لا فضةً. (الكامل في التاريخ: ۲/۱۳۰).

(٦) وفي هذه السنة غزا الحكم بن عمرو (نائب زياد على الخراسان) جبل الأسل عن أمر زياد فقتل منهم خلقاً كثيراً وغنم أموالاً جمة، فكتب إليه زياد: إن أمير المؤمنين قد جاء كتابه أن يصطفى له كل صفراء وبيضاء يعني الذهب و الفضة يجمع كله من هذه الغنيمة لبيت المال. (البداية و النهاية ۸/۳۲، ط: دار احياء التراث العربی).

ان تمام اسانید پر کلام ہے لہٰذا ایک ایسے واقعہ کو بنیاد بنا کر ایک عظیم صحابئ رسول

پر خیانت کا الزام لگانا صریح بے انصافی ہے۔(مستفاد از: حضرت امیر معاویہؓ اور تاریخی روایات:٦۴)۔

نیز اس واقعہ کے پانچ حوالے دیے گئے جن میں چار مجمل ہیں اور ایک مفصل ہے، یعنی اس میں یہ مذکور ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سونا چاندی بیت المال کے لیے منگوایا ہے لہذا سب کو اس مفصل روایت پر محمول کیا جائیگا۔(مستفاد از حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق:۲۰۱)۔

اور اس کی سند پر کلام ہونے کے باوجود اگر اس روایت کو ثابت تسلیم کرلیا جائے تو کچھ پتا نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے واقعۃً اس مضمون کا خط لکھا بھی تھا یا نہیں؟ اور اگر لکھا تھا تو اس کے الفاظ کیا تھے؟ اور ان کا واقعی منشا کیا تھا؟ ان تمام باتوں کا احتمال ہے۔

پھر زیاد نے ان کے الفاظ روایت بالمعنی کے طور پر ذکر کیے ہیں جس میں ردو بدل کی بہت کچھ گنجائش ہے اور اگر فرض کرلیا جائے کہ زیاد نے کسی بد دیانتی اور غلط فہمی کے بغیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط من وعن نقل کیا ہو تب بھی عین ممکن ہے کہ اس وقت بیت المال میں سونے چاندی کی کمی ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اندازہ یا کسی اطلاع کی بنا پر یہ سمجھے ہوں کہ جبل الاسل کے جہاد میں جو سونا چاندی ہاتھ آیا ہے وہ کل مالِ غنیمت کے پانچویں حصے سے زائد نہیں ہے اس لیے انہوں نے بیت المال کی کمی کو پورا کرنے کے لیے یہ حکم جاری فرمایا ہو کہ مال غنیمت میں سے جو پانچواں حصہ بیت المال کے لیے بھیجا جائے گا اس میں دیگر اشیا کے بجائے صرف سونا چاندی ہی بھیجا جائے۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ،ص:۳۱)۔

دوسرا اعتراض: دیت کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو

بدل دیا، سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔ (خلافت وملوکیت ۱۷۳، ۱۷۴)۔

الجواب: امام زہریؒ کا یہ قول یہاں اختصار اور اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے ، اس کی پوری تفصیل امام بیہقیؒ نے اپنی سنن کبریٰ میں روایت کی ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آدھی دیت مقتول کے ورثاء کو دیتے تھے اور باقی نصف بیت المال میں داخل کر دیتے تھے، لہذا آدھی دیت کو اپنے ذاتی استعمال میں لانے کا کوئی سوال نہیں۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق، ص ۱۹۳)۔

نیز معاہد کی دیت میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال الإمام الترمذيؒ: حدثنا عيسى بن أحمد حدثنا ابن وهب عن أسامة بن زيد عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يقتل مسلم بكافر. وبهذا الإسناد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: دية عقل الكافر نصف عقل المؤمن . قال أبو عيسىٰ: حديث عبد الله بن عمرو في هذا الباب حديث حسن. واختلف أهل العلم في دية اليهودي والنصراني :

(۱) فذهب بعض أهل العلم إلى ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم .

(۲) وقال عمر بن عبد العزيز: دية اليهودي والنصراني نصف

دية المسلم، وبهذا يقول أحمد بن حنبل .

(٣) وروي عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال: دية اليهودي والنصراني أربعة آلاف ودية المجوسي ثمانمائة. وبهذا يقول مالك بن أنس رح والشافعي رح وإسحاق رح .

(٤) وقال بعض أهل العلم: دية اليهودي والنصراني مثل دية المسلم.وهو قول سفيان الثوري وأهل الكوفة. (سنن الترمذي ، باب ما جاء في دية الكفار،رقم: ١٤١٣).

قال العلامة ابن رشد القرطبي في بداية المجتهد (١٩٦/٤) أما دية أهل الذمة إذا قتلوا خطأ فإن للعلماء في ذلك ثلاثة أقوال :

(١) أحدها أن ديتهم على النصف من دية المسلم. ذكر أنهم على النصف من ذكران المسلمين ونساؤهم على النصف من نسائهم. وبه قال مالك رح وعمر بن عبد العزيز رح . و على هذا تكون دية جراحهم على النصف من دية المسلمين .

(٢) والقول الثاني أن ديتهم ثلث دية المسلم. وبه قال الشافعي رح وهو مروي عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه وعثمان بن عفان رضي الله عنه وقال به جماعة من التابعين.

(٣) والقول الثالث أن ديتهم مثل دية المسلمين وبه قال أبو حنيفة رح والثوري رح . وجماعة وهو مروي عن ابن مسعود رضي الله عنه وقد روي عن عمر رضي الله عنه وعثمان رضي الله عنه وقال به جماعة من التابيعين.

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مال اور معاملات کی صفائی اور عمدگی کے شواہد:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان ایام میں جن میں یہ واقعات پیش آئے اکابر صحابہ کی ایک خاصی جماعت موجود تھی۔ مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، مسور بن مخرمہ، زید بن ثابت، سائب بن یزید، عقیل بن ابی طالب، حسین بن علی، ابو ہریرہ، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم۔

ان حضرات میں سے کسی بزرگ نے ان اموال کی تقسیم کے معاملہ میں کوئی اعتراض نہیں کھڑا کیا، حالانکہ یہ حضرات خلافِ شرع معاملہ پائے جانے پر خاموشی اختیار کرنے والے نہیں تھے اور شرعی قواعد کی صریح خلاف ورزی کی تائید کرنے والے نہیں تھے۔ اور اس پر مستزاد یہ بات ہے کہ بیت المال سے اس دور میں ان تمام حضرات کو درجہ بدرجہ وظائف اور عطایا جاری ہوتے تھے۔ بیت المال کے اموال میں اگر شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی پائی گئی تھی تو ان حضرات نے اعتراض کیوں نہیں کیا؟ اور وہاں سے اموال حاصل کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا؟ (سیرتِ حضرت امیر معاویہؓ، ص ۶۹۴)۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان فرق:

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں فرق یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے بیت المال سے بقدر ضرورت لیتے تھے اور تنگی کی زندگی بسر فرماتے تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے رخصت پر عمل کیا اور ملکِ شام میں مسلمانوں کی شان و شوکت کو دوبالا کرنے کے لیے اپنی زندگی کے معیار کو کچھ بلند فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تنخواہ کا معیار:

أخرج محمد بن سعد في طبقات الكبرى قال: أخبرنا مسلم بن إبراهيم قال أخبرنا هشام الدستوائي قال أخبرنا عطاء بن السائب قال: لما استخلف أبوبكر أصبح غادياً إلى السوق وعلى رقبته أثواب يتجر بها فلقيه عمر بن الخطاب وأبو عبيدة بن الجراح فقالا له: أين تريد يا خليفة رسول اللّٰه ؟ قال: السوق، قالا: تصنع ما ذا وقد وليت أمر المسلمين؟ قال : فمن أين أطعم عيالي ؟ قالا له : انطلق حتى نفرض لک شيئاً فانطلق معهما ففرضوا له كل يوم شطر شاة وما كسوه في الرأس والبطن. (الطبقات الكبرى:۳/۱۸۴).

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بوقتِ انتقال بیت المال کا مال واپس فرمادیا:

جب آپ کا انتقال کاوقت آیاتو آپ نے جتنا بیت المال سے لیا تھا اس کو واپس کرنے کا حکم فرمایا:

وقالت عائشةؓ : قال أبو بكر: انظروا ماذا زاد في مالي منذ دخلت في الإمارة فابعثوا به إلى الخليفة بعدي فنظرنا فإذا عبد نوبي كان يحمل صبيانه ، وإذا ناضح كان يسقي بستاناً له، فبعثنا بهما إلى عمر فبكى عمر رضی اللہ عنہ وقال رحمة اللّٰه على أبي بكر لقد أتعب من بعده تعباً شديداً. (أبو بكر الصديقؓ شخصيته وعصره للدكتور الصلابي،ص ۳۹۵).

فقال أبوبكر رضي الله عنه أما إنا ولينا أمر المسلمين لم نأكل لهم ديناراً ولا درهماً ولكنا قد أكلنا من جريش طعامهم في بطوننا ولبسنا من خشن ثيابهم على ظهورنا وليس عندنا من فيء المسلمين قليل ولا كثير إلا هذا العبد الحبشي وهذا البعير الناضح وجرد هذه القطيفة فإذا مت فابعثي بهن إلى عمر وأبرئي منهن ففعلت، فلما جاء الرسول إلى عمر رضي الله عنه بكى حتى جعلت دموعه تسيل في الأرض ويقول: رحم اللّٰه أبا بكر رضي الله عنه لقد أتعب من بعده، يا غلام ارفعهن. (طبقات الكبرى لابن سعد ۱۹۶/۳).

قال ابن سعد أخبرنا يزيد بن هارون قال أخبرنا ابن عون عن محمد قال توفي أبوبكر الصديق رضي الله عنه وعليه ستة آلاف كان أخذها من بيت المال فلما حضرته الوفاة قال إن عمر رضي الله عنه لم يدعني حتى أصبت من بيت المال ستة آلاف درهم وإن حائطي الذي بمكان كذا وكذا فيها، فلما توفي ذكر ذلك لعمر رضي الله عنه فقال: يرحم اللّٰه أبا بكر رضي الله عنه لقد أحب أن لا يدع لأحد بعده مقالاً وأنا والي الأمر من بعده وقد رددتها عليكم. (الطبقات الكبرى: ۱۹۳/۳).

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا معیار مصلحت کی وجہ سے پہلے خلفاء سے کچھ بلند تھا:

قال أبو الحسن المدائني: كان عمر رضي الله عنه إذا نظر إلى معاوية قال:

هذا كسرى العرب. (تاريخ الإسلام للحافظ الذهبي ۲/۴۷).

وقال ابن أبي الدنيا: حدثني محمد بن قدامة الجوهري حدثني عبد العزيز بن يحيى عن شيخ (مجهول) **له قال: لما قدم عمر بن الخطاب رضي الله عنه الشام تلقاه معاوية رضي الله عنه في موكب عظيم، فلما دنا من عمر رضي الله عنه قال له: أنت صاحب الموكب؟ قال: نعم يا أمير المؤمنين. قال: هذا حالك مع ما بلغني من طول وقوف ذوي الحاجات ببابك؟ قال: هو ما بلغ من ذلك. قال: ولم تفعل هذا؟ لقد هممت أن آمرك بالمشي حافياً إلى بلاد الحجاز، قال: يا أمير المؤمنين إنا بأرض جواسيس العدو فيها كثيرة، فيجب أن نظهر من عز السلطان ما يكون فيه عز للإسلام وأهله ويرهبهم به، فإن أمرتني فعلت، وإن نهيتني انتهيت. فقال له عمر رضي الله عنه: يا معاوية ما سألتك عن شيء إلا تركتني في مثل رواجب الضرس، لئن كان ما قلت حقاً إنه لرأي أريت، ولئن كان باطلاً إنه لخديعة أديت. قال: فمرني يا أمير المؤمنين بما شئت، قال: لا آمرك ولا أنهاك. فقال رجل** (عبد الرحمن بن عوف)**: يا أمير المؤمنين ما أحسن ما صدر الفتى عما أوردته فيه! فقال عمر: لحسن موارده ومصادره جشمناه ما جشمناه.** (البداية والنهاية: ۱۲۵/۸).

اس کی سند میں شیخ مجہول ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سادگی کے متعلق روایات ملاحظہ کیجیے:

یونس بن میسرہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازاروں میں دیکھا، آپ کے بدن پر پیوند لگی ہوئی قمیص تھی اور آپ دمشق کے بازاروں میں چکر لگا رہے تھے۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق، ص ۳۱۹، بحوالہ البدایہ والنہایہ: ۱۳۴/۸)۔

اسی طرح ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو دمشق کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہیں۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ۳۱۹، بحوالہ البدایہ والنہایہ ۱۳۵/۸)۔

یہ آپ کی طبعی سادگی اور استغنا کی شان تھی مگر شام کی گورنری کے دوران آپ رضی اللہ عنہ نے ظاہری شان وشوکت کے طریقے بھی اختیار کیے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ سرحدی علاقہ تھا اور آپ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کی شان وشوکت کا دبدبہ قائم رہے۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ۳۲۰)۔

نصف مال بیت المال میں جمع کرانے کی وصیت:

وفات سے پہلے آپ نے وصیت کی کہ آپ کے نصف مال کو بیت المال میں لوٹا دیا جائے۔

وقال محمد بن سعد أنا علي بن محمد عن محمد بن الحكم عمن حدثه أن معاوية لما احتضر أوصى بنصف ماله أن يرد إلى بيت المال، كأنه أراد أن يطيب له ؛ لأن عمر بن الخطاب قاسم عماله.

(البداية والنهاية ۸/ ۱۴۱).

شیخ ابوالحسن احمد بن یحیی البلاذری نے ''انساب الاشراف'' میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور مبہم راوی کی وضاحت بھی فرما دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

المدائني عن محمد بن الحكم عن أبيه أن معاوية رضي الله عنه أوصى بنصف ماله أن يرد إلى بيت المال، كأنه أراد أن يطيب له الباقي لأن عمر رضي الله عنه قاسم عماله. (أنساب الأشراف: ٢/ ٨٥، تحت ترجمة معاوية بن أبي سفيان رضي الله عنه).

(وكذا فى صحيح تاريخ الطبرى ، الخلافة فى عهد الأمويين ، للامام أبوجعفر محمد بن جرير الطبرى (٢٢٤ـ٣١٠هـ) ٤/ ٣٩، ط: دارابن كثير دمشق ، بيروت).

والله سبحانه وتعالى اعلم۔

چند مشہور ضعیف احادیث کی تحقیق جن پر مسلسل عمل درآمد ہے:

(۱)

۱۵ شعبان کے روزہ کے متعلق حدیث کی تحقیق:

۱۵ شعبان کا روزہ رکھنا مستحب ہے، اور حدیث سے ثابت ہے اگر چہ حدیث ضعیف ہے، لیکن فضائل میں بلا اعتقادِ سنت عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرائط کی تفصیلات ماقبل میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: " إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن اللّٰہ ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا ، فيقول: ألا من مستغفر لي فأغفر له ، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه ألا كذا، ألا كذا حتى يطلع الفجر. (رواہ ابن ماجة:ص۹۹، باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان۔ والبیهقی فی شعب الایمان:۳/۳۷۸/۳۸۲۲،ماجاء فی لیلة النصف من شعبان).

پورے ذخیرۂ احادیث میں صرف ایک حدیث موجود ہے جس سے ۱۵ شعبان کے روزہ کا پتہ چلتا ہے، لیکن اس حدیث پر محدثین نے بہت کچھ کلام فرمایا ہے، مستقل رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں اس کے باوجود اس کو موضوع نہیں کہا جا سکتا۔

ملاحظہ فرمائیں محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی فرماتے ہیں:

پندرھویں شعبان کے روزے کے بارے میں جو حدیث ابن ماجہ میں آئی ہے وہ موضوع نہیں ہے کسی ماہر حدیث نے اس کو موضوع نہیں کہا ہے، ''تحفۃ الاحوذی'' کی عبارت سے اس حدیث کے موضوع ہونے پر استدلال کرنا جہالت ہے، اس حدیث کے راویوں میں ابوبکر بن ابی سبرہ ضرور ہے اور اس کی نسبت بیشک یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حدیثیں بناتا تھا، لیکن اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زیر بحث حدیث اس کی بنائی ہوئی ہے اور موضوع ہے، محض اس بنا پر کہ سند میں ایسا کوئی راوی موجود ہے جو حدیثیں بناتا تھا کسی حدیث کو موضوع کہہ دینا جائز نہیں ہے، اس سے تو بس اتنا لازم آئے گا کہ حدیث سنداً ضعیف ہے، یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے سنن ابن ماجہ کی احادیثِ موضوعہ کی نشاندہی کی ہے ان میں اس حدیث کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

اصولِ حدیث وغیرہ کی کتابوں میں جگہ جگہ یہ تصریح ملتی ہے کہ کسی حدیث کی سند میں کوئی کذاب یا وضاع راوی پایا جائے تو محض اتنے سے وہ حدیث موضوع نہیں ہو جائے گی، جب تک کہ کوئی دوسری دلیل اس کے موضوع ہونے پر دلالت نہ کرے۔

مثال کے طور پر ''فتح المغیث'' ملاحظہ کیا جائے۔ امام سخاویؒ لکھتے ہیں:

ھذا مع أن مجرد تفرد الکذاب بل الوضاع، ولو کان بعد الاستقصاء فی التفتیش من حافظ متبحر تام الاستقراء، غیر مستلزم

لذلک بل لا بد معه من انضمام شيء مما سيأتي. (فتح المغيث: ۱/۲۵۱)
یعنی محض کسی کذاب یا وضاع کا تفرد حدیث کے موضوع ہونے کو مستلزم نہیں ہے اگر چہ یہ تفرد کسی ایسے شخص کی تفتیش واستقصاء کے بعد سامنے آئے جو کہ حافظ حدیث اور فن میں متبحر اور تام الاستقصاء ہو بلکہ اس کے ساتھ ان چیزوں میں کسی اور چیز کا پایا جانا بھی ضروری ہے جس کا تذکرہ آرہا ہے۔

اسی طرح راوی کو ''منکر الحدیث'' اور حدیث کو بھی ''منکر'' کہا گیا ہو، تب بھی اس کو موضوع کہنا جائز نہیں ہے، حدیث ''لاتقولوا سورۃ البقرۃ'' کو امام احمدؒ نے منکر اور اس کے راوی عبیس کو منکر الحدیث کہا ہے، اس بنا پر ابن الجوزیؒ نے اس حدیث کو موضوعات میں داخل کر دیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس پر سخت اعتراض کیا ہے، فرماتے ہیں: أفرط ابن الجوزی في إيراد هذا الحديث فی الموضوعات ولم يذكر مستنده إلا قول أحمد وتضعيف عبيس وهذا لايقتضی الوضع . (اللآلی المصنوعة: ۱/۲۳۹)

ابن الجوزیؒ نے اس حدیث کو موضوعات میں شامل کر کے افراط وغلو سے کام لیا ہے، جب کہ ان کے پاس سند میں صرف امام احمد کا قول اور عبیس کی تضعیف ہے اور یہ وضع کی مقتضی نہیں ہے۔

سطورِ بالا سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جس شخص نے یہ بات کہی ہے کہ روایتِ فضیلتِ صومِ شعبان میں ابوبکر بن عبداللہ راوی واضع الحدیث تھا، اس لیے یہ روایت موضوع ٹھہری بالکل غلط ہے، ایسی جہالت کی بات عالم نہیں کہہ سکتا، (اس کے بعد تحفۃ الاحوذی کی عبارت مع روایت ونقد اور پھر مولانا مبارک پوری کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد

فرماتے ہیں)

دیکھیے مولانا مبارک پوری نے ابن ماجہ کی حدیث نقل کرکے اس کے راوی پر جو جرح کی ہے اس کو بھی نقل کرتے ہیں اس کے باوجود اس کے راوی کو دوسری حدیثوں کے ساتھ ملاکر حجت بھی قرار دیتے ہیں، کیا موضوع حدیث کو بھی دوسری حدیث کے ساتھ ملاکر حجت بنایا جاسکتا ہے۔ یہ بات کوئی عالم نہیں کہہ سکتا۔

امام سخاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ ابن جوزیؒ کے یہاں موضوعات میں کثرت و وسعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس کے لیے راوی کے حق میں وضع کے التزام کو کافی سمجھ لیا حالانکہ بسا اوقات روایت کے دوسرے طرق بھی ہوتے ہیں اور صرف یہ بات کافی بھی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مشہور محدث عبدالعظیم منذریؒ (صاحبِ ترغیب وترہیب) نے اپنی معروف ومتداول کتاب میں ایسے بہت سے حضرات کی روایات ذکر کی ہیں کہ جن پر شدید نقد ہے وضع وکذب وغیرہ کی بات بھی ہے مگر وہ روایات اس قسم کے لوگوں کی بھی لائے ہیں، جس کی انہوں نے خود مقدمہ میں صراحت کردی ہے البتہ انہوں نے ایسی روایات کے ذکر میں دوسری روایات کے مقابلہ میں فرق کیا ہے، اور وہ یوں کہ ایسی روایات کو وہ لفظ ’’روی‘‘ سے ذکر کرتے ہیں جبکہ دیگر روایات کو وہ لفظ ’’عن‘‘ سے ذکر کرتے ہیں اور یہ بھی صراحت کی ہے:

أضربت عن ذكر ما قيل فيه من الأحاديث المتحققة للوضع‘‘.

(مقدمه الترغيب).

جن احادیث کو یقینی اور تحقیقی طور پر موضوع کہا گیا ہے میں نے ان کو ذکر

کرنے سے اعراض کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: ایسے شدید مجروح راویوں کی روایت کو میں لفظ ''روی'' سے ذکر کرتا ہوں اور اس کی مصلحت بھی ذکر کی ہے:

صورته بلفظ روى و لا أذكر ذلک الراوى و لا ما قيل فيه البتة فيكون للإسناد الضعيف دلالتان: تصدير بلفظ روى و إهمال الكلام في آخره . (الترغيب: ۱/۳۷)

یعنی ایسی روایات کو لفظ روی سے ذکر کرتا ہوں نیز یہ کہ ایسے راوی اور اس کے حال کا ذکر نہیں کرتا، اس طرح ایسی حدیث کے ضعیف ہونے کی دو دلیلیں جمع کر دیا کرتا ہوں: ایک تو لفظ روی سے اس کو ذکر کرنا، اور دوسرے راوی و روایت کے حق میں کلام کو چھوڑ دیا ہے۔

اور جلال الدین سیوطیؒ سے حافظ منذریؒ کی تصانیف کے متعلق نقل کیا گیا ہے:

إذا علمتم بالحديث أنه في تصانيف المنذري صاحب الترغيب و الترهيب فأوردوه مطمئنين . (الرحمة المرسلة فی شان حدیث البسملة، ص ۱۵)

یعنی جب تم کو یہ معلوم ہو کہ فلاں حدیث منذری صاحبِ ترغیب وترہیب کی کتابوں میں آئی ہے، تو اس کو مطمئن ہو کر روایت کیا کرو، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ سیوطی کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

يعني بالاطمينان إلى تصانيف الحافظ المنذرى أنه لا يروى فيها حديثاً موضوعاً، إمام الحديث الضعيف فإنه يرويه و يكثر منه .الخ.
(تعلیقات الاجوبة الفاضلة، ص ۱۲۱)

حافظ منذری کی کتابوں پر اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں کوئی موضوع حدیث نہیں ذکر کیا کرتے ہاں، حدیث ضعیف کی روایت کرتے ہیں، اور بکثرت مگر اس پر تنبیہ واشارہ کردیا کرتے ہیں۔

منذریؒ کے علاوہ امام نوویؒ کا معاملہ بھی یہی ہے جیسا کہ سیوطیؒ سے ان کے حق میں بھی نقل کیا گیا ہے، بلکہ وہ ضعیف روایات بھی بہت کم نقل کرتے ہیں ''الاذکار'' میں انہوں نے ضرور وسعت برتی ہے جیسے کہ ''ریاض الصالحین'' میں کچھ آگئی ہیں جن کی طرف بظاہر ان کی وجہ توجہ نہیں ہوسکتی۔(تعلیقات الاجوبۃ الفاضلۃ،ص۱۲۲،۱۲۳)

بہر حال ائمہ فن نے محض کسی وضاع وکذاب کے سند میں آجانے پر حدیث کو موضوع نہیں گردانا اور نہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا بلکہ اس کو ضعیف کا درجہ دے کر اعتبار کیا عمل کے لیے پیش کیا الا یہ کہ کسی دلیل سے وضع کا ثبوت مل جائے۔(مجلّہ الماٰثر ص۶۹-۷۴، ۱۹۹۵ء)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

المرغوبات من الصيام أنواع أولها صوم المحرم، والثاني صوم رجب، والثالث صوم شعبان...(الفتاوى الهندية:١/٢٠٢).

ملا علی قاریؒ نے مرقات اور مجموع رسائل میں اس روزہ کو موجب خیر و برکت فرمایا ہے:إنه شهر (شعبان) ترفع فيه الأعمال وأحب أن يرفع عملي وأنا صائم...والذي يلوح لي الآن أن ليلة النصف هي التي تعرض فيها أعمال السنة الماضية كما أنها تكتب فيها جميع ما يقع في السنة الآتية ولذا قال: قوموا ليلها وصوموا نهارها. (مرقاة المفاتيح :٢٩٩/٤،باب صيام

التطوع،مكتبه امداديه).

مجموع رسائل میں ہے: أن الكتابة قد تستوعب في جميع أيام شعبان، و الأخبار و الآثار الواردة ظاهرة في أنه مختص بليلة النصف، و لعلها زمان كتابة الأكثر، ثم صيام النهار مورث للبركة في الليلة .

(مجموع رسائل العلامة الملا علي القاري: ۳/ ۴۴. ۴۵، دار اللباب).

تنبیہ: جس روایت میں لیلۃ نصف شعبان میں ہر مولود اور ہر ایک انتقال کرنے والے کی کتابت کا ذکر ہے وہ روایت بیہقی نے فضائل الاوقات میں ذکر فرمائی ہے اور مشکوٰۃ شریف میں بھی مذکور ہے اس کی سند میں نضر بن کثیر ضعیف ہے بلکہ ابن حبان نے یروی الموضوعات عن الثقات کہا ہے۔ راجع: (تعلیق خطبات الاحکام، ص ۱۴۳).

نیز ہر مہینہ کے تین دن یعنی ایام بیض کے بارے میں صحیح روایات موجود ہیں ان کی وجہ سے بھی پندرھویں شعبان کا روزہ مستحب قرار دیا جائے گا۔

علامہ شرنبلالیؒ نے مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے کہ ہر وہ روزہ جو شریعت میں مطلوب ہو اور اس پر ثواب کا وعدہ ہو وہ بھی مستحب ہوتا ہے، اور چونکہ پندرھویں شعبان کے روزہ کے بارے میں روایت موجود ہے لہذا مستحب ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں مراقی الفلاح میں ہے:

و منه (المندوبات) كل صوم ثبت طلبه و الوعد عليه بالسنة الشريفة .

(مراقی الفلاح: ص ۲۳۰، بیروت) ۔

شیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی نے "الفقہ الحنفی وادلتہ" میں سنن ونوافل کے روزوں کے تحت پندرہ شعبان کے روزے کو ذکر فرمایا ہے۔ (۳۸۲/۱)۔

قاضی ومفتی بغداد علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں مذکورِ حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔یعنی ان کے نزدیک بھی موضوع نہیں ہے۔(روح المعانی:۲۵/۱۱۱)۔

پندرہ شعبان کے روزے کے استحباب پر اکابر علما کی تصریحات:

ہمارے اکابر علماء نے بھی پندرہ شعبان کے روزے کو مستحبات میں شمار فرمایا ہے۔ چنانچہ چند حضرات کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

(۱) حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ مفتی اعظم ہند نے بھی اس روزہ کو مستحبات میں شمار کیا ہے۔ملاحظہ ہو تعلیم الاسلام میں فرماتے ہیں:

سوال: مستحب کون سے روزے ہیں؟

جواب: فرض اور واجب اور سنت روزوں کے بعد تمام روزے مستحب ہیں۔ لیکن بعض روزے ایسے ہیں کہ اُن میں ثواب زیادہ ہے جیسے شوال میں چھ روزے، ماہِ شعبان کی پندرہویں تاریخ کا روزہ ...الخ۔(تعلیم الاسلام ،چوتھا حصہ ،ص۱۸۷، ط:مکتبۃ البشریٰ)۔

(۲) حضرت مفتی عزیز الرحمٰن سابق صدر مفتی دار العلوم دیو بند نے بھی فتاویٰ دار العلوم دیو بند میں مستحب فرمایا ہے:

الجواب: ...البتہ یہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب کو بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہو اور پندرہویں تاریخ کا روزہ رکھو، پس پندرہویں تاریخ شعبان کا روزہ مستحب ہے، اگر کوئی رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کچھ حرج نہیں فقط۔(فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۶/۵۰۰،مدلل مکمل)۔

(۳) بہشتی زیور میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

شبِ برات کی اتنی اصل ہے کہ پندرہویں رات اور پندرھواں دن اس مہینے کا بہت بزرگی اور برکت کا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کو جاگنے کی اور اس دن کو روزہ رکھنے کی رغبت دلائی ہے اور اس رات میں ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جا کر مردوں کے لیے بخشش کی دعا مانگی ہے۔ (بہشتی زیور، چھٹا حصہ، ص۶۰، ط: دارالاشاعت)۔

دوسری جگہ ''دین کی باتیں'' میں مرقوم ہے:

شبِ برات کی پندرہویں اور کے مہینہ میں چھ دن نفل روزے رکھنے کا بھی بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔ (خلاصہ بہشتی زیور، ص۲۱۲)۔

(۴) حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ نے عمدۃ الفقہ میں مستحب روزے کے تحت حدیث نقل فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

(مستحب روزے) نمبر (۸) ماہِ شعبان کے روزے... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ماہِ شعبان کا نصف ہو تو اس کی رات کو قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو الحدیث اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (عمدۃ الفقہ: ۳/۱۸۷)۔

(۵) فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند و سہارنپور کا فتویٰ:

سوال: ہمارے یہاں گزشتہ سال پندرہویں شعبان کا روزہ نہیں رکھا گیا اور کہا گیا کہ یہ روزہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ علاوہ ازیں اس روزہ کو بدعت قرار دیتے ہیں، کیا فضائل میں ضعیف حدیثوں کا اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً: عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: " إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن اللّٰه ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا ، فيقول : ألا من مستغفر لي فأغفرله ، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه ألا كذا، ألا كذا حتى يطلع الفجر. رواه ابن ماجه .

مشكاة شريف: ص ١١٥ . ابن ماجہ میں یہ روایت صفحہ ١٠٠ پر ہے۔

سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال درست ہے:

ويجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فی الأسانيد و رواية ما سوى من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات اللّٰه تعالیٰ والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، ذلک كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرهما مما لا تعلق له بالعقائد والأحكام

تدريب الراوى ، ص ٩٢ .

پس اس روزہ کو بدعت کہنا درست نہیں جبکہ اس کے متعلق حدیث شریف موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٢٠٣۔٢٠٤)۔

(٦) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی اس روزہ کو ثابت مانا ہے اور ابن ماجہ کی روایت سے استدلال فرمایا ہے۔ چنانچہ ماثبت بالسنہ میں فرماتے ہیں:

المقالة الثالثة في قيام ليلة النصف من شعبان وصيام يومها أو ما ثبت فيها الأدعية والأذكار: عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول

اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا کان لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها و صوموا یومها . الحدیث... (ماثبت بالسنة ، ص۳۵۸ـ۳۶۳).

(۷) اسلامی فقہ میں ہے:

شعبان کی ۱۵/ تاریخ کو اور شوال کے مہینہ میں چھ روزے رکھنا بھی سنت ہے، شعبان کی پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنے اور پندرھویں رات کو عبادت کرنے اور قبرستان جا کر مردوں کے لیے دعائے مغفرت کرنے کا بھی ذکر حدیث میں ہے۔ (اسلامی فقہ: ۱/ ۴۱۷).

(۸) مفتی تقی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

پندرھویں شعبان کے روزے کے استحباب پر علمائے کرام کی تصریحات۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: پندرھویں تاریخ شعبان کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ (زوال السنۃ: ص۱۰).

(۹) حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس کو پندرھویں شعبان کے مسنون اعمال میں شمار فرمایا، یعنی اس کی صبح کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔

(۱۰) علامہ قطب الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مشکوۃ شریف کی شرح مظاہر حق : ۲/۳۶۴، پر باب صیام التطوع میں پندرھویں شعبان کا روزہ بھی شمار فرمایا ہے۔ (ملخص از رسالہ: شبِ براءت کی حقیقت: ص۷۴ـ۷۷، از مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ)۔

فقہائے مالکیہ کے نزدیک پندرہ شعبان کے روزے کا حکم:

وفي شرح الصغیر علی أقرب المسالک للشیخ الدردیر المالکي مع حاشیة الصاوی: وندب صوم یوم النصف من شعبان . (۱/۶۹۲، باب الصوم).

یعنی شیخ دردیر مالکیؒ نے پندرھویں شعبان کا روزہ مستحب قرار دیا ہے۔

وفي حاشية البناني: وزاد ابن يونس يوم النصف من شعبان فتصير الأيام المرغب فيها ثمانية . (حاشية البناني على هامش شرح الزرقاني: ۳۵۰/۲).

وفى الخلاصة الفقهية : كم هى مندوبات الصوم وماهى ... ۲۲ وصوم يوم النصف من شعبان لمن اراد الاقتصار على هذا اليوم ... (الخلاصة الفقهية على مذهب السادة المالكية: ۱۹۱).

وفى فقه العبادات :(من المندوبات) صوم يوم النصف من شهر شعبان. (فقه العبادات على المذهب المالكى،۳۲۳).

فقہائے شافعیہ کے نزدیک پندرہ شعبان کے روزے کا حکم:

فتاویٰ رملی میں سنت کہا ہے اور حدیث کو قابل حجت بتایا ہے:

(سئل) عن صوم منتصف شعبان كما رواه ابن ماجه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، هل هو مستحب أولا وهل الحديث صحيح أولا وإن كان ضعيفاً فمن ضعفه ؟ فأجاب: بأنه يسن صوم نصف شعبان بل يسن صوم ثالث عشره ، و رابع عشره وخامس عشره ، والحديث المذكور يحتج به . (فتاوى الرملى : ۷۹/۲).

شیخ ابن حجر الہیتمی الفتاوی الفقہیۃ الکبری میں سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

فأجاب: وأما صوم يومها فهو سنة من حيث كونه من جملة

الأيام البيض لا من حيث خصوصه والحديث المذكور ضعيف .
(الفتاوی الفقهية الكبری: ۲/ ۸۰).

تحفۃ المحتاج کے حاشیہ میں شیخ احمد بن قاسم العبادی لکھتے ہیں:

وما ذكروه معها ما إذا طلب صومه في نفسه كيوم النصف من شعبان . (حاشية تحفة المحتاج: ۳/ ۵۰۴).

فقہائے حنابلہ کے نزدیک پندرہ شعبان کے روزے کا حکم:

قال في" الإنصاف" قال في الفروع: لم يذكر اكثر الاصحاب استحباب صوم رجب وشعبان، واستحسنه ابن أبي موسى في الإرشاد، قال ابن الجوزى في كتاب أسباب الهدايه: يستحب صوم الأشهر الحرم...وجزم به في المستوعب، وقال: آكد شعبان يوم النصف ،...
(الانصاف في معرفة الراجح من الخلاف : ۳/ ۳۴۷ . وكذا في الفروع: ۵/ ۹۸).

شیخ مرداوی حنبلی نے اپنی کتاب "الإنصاف" میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ ابن جوزی نے" المستوعب" میں لکھا ہے کہ شعبان کے روزوں میں پندرھویں شعبان کا روزہ زیادہ مؤکد ہے۔

وقال ابن رجب الحنبلي في لطائف المعارف: وأما صيام يوم النصف منه فغير منهي عنه فإنه من جملة أيام البيض الغر المندوب إلى صيامها من كل شهر وقد ورد الأمر بصيامه من شعبان بخصوصه ففي سنن ابن ماجه بإسناد ضعيف عن علي ...(لطائف المعارف ،ص ۱۳۶).

ابن رجب حنبلیؒ نے فرمایا کہ پندرھویں شعبان کے روزے کا حکم خصوصیت

سے آیا ہے۔ مذکورہ بالا نقولِ فقہاء سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یاں مستحب ہونے کی تصریح موجود ہے۔

فقہ حنفی میں متقدمین کی کتب میں کسی مسئلہ کی تصریح نہ ہو اور دیگر مذاہب میں ہو تو متأخرین فقہائے احناف کا اصول:

جب کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی کتب میں مصرح نہیں ہوتا اور دیگر مذاہب میں مصرح ہوتا ہے اور وہ فقہ حنفی کے اصول کے عین موافق ہوتا ہے تو ہمارے فقہائے احناف دیگر مذاہب سے مسئلہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **وقواعدنا لا تأباه، كما قال ابن نجيمؒ في البحر: ولم أر من صرح بهذا من ائمتنا لكني رأيته في كتب الشافعية وقواعدنا لا تأباه.** (١/١٧٤، باب المسح على الخفين) اسی طرح علامہ شامیؒ اور علامہ طحطاویؒ وغیرہ فقہاء نے بھی کئی مقامات پر یہ جملہ فرمایا ہے۔ راجع: (فتاوی الشامی وحاشیۃ الطحطاوی ومجمع الانہر، واللباب وغیرہ من کتب الفقہ)۔

ابوبکر بن ابی سبرہ پر کلام کے بارے میں مزید تحقیق:

ابوبکر بن ابی سبرہ ضعیف ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ بعض ائمہ نے ان کو واضع الحدیث کہا ہے اور بعض نے ضعیف کہا، امام بخاریؒ نے فقط ضعیف فرمایا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ نے واضع الحدیث بتلایا لیکن امام احمد بن حنبلؒ کا زمانہ بہت بعد کا ہے شاید اس لیے ان کے بارے میں صحیح حالات کا علم نہیں ہوسکا، ورنہ اکثر ائمہ نے فرمایا کہ وہ اسلامی سلطنت کے تین بڑے عظیم الشان شہر: مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور عراق کے مفتی وقاضی تھے نیز ان کے اساتذہ بھی بلند پایہ کے تھے اور تلامذہ میں بھی مشہور شخصیتیں

ہیں، بنابریں واضع الحدیث کہنا بعید از عقل ہے کیونکہ تین بڑے شہروں کا قاضی اور مفتی کیا فاسق و فاجر ہوگا؟

ثقہ اس کو کہتے ہیں کہ احکامِ شریعت کو اپنے او پر نافذ کرے اور قاضی وہ ہے جو احکامِ شریعت لوگوں پر نافذ کرے اور قاضی کی شرائط وصفات میں ہے کہ گناہِ کبیرہ سے بچنے والا ہو اور صغیرہ پر مصر نہ ہو، اور جو شخص واضع الحدیث ہوگا وہ تو مرتکبِ حرام ہوگا جس کا شمار فاسق کے زمرہ میں ہوگا بھلا ایسا شخص بھی عہدۂ قضا کا اہل ہوسکتا ہے؟ بلکہ قاضی اور مفتی کے الفاظ خود توثیق پر دلالت کرتے ہیں۔

ہاں ضعف کی وجہ یہ ہے کہ حدیث بیان کرنا ان کا شغف نہیں تھا اکثر و بیشتر قضا و افتاء کے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کو ضعیف کہا جیسا کہ امام حفص بن سلیمان کو بھی واضع الحدیث کہا گیا (دیکھئے :تہذیب الکمال:۷/ ۱۵) لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ ان کا شغف قراءت کے ساتھ زیادہ تھا اس وجہ سے ضعیف کہنا درست ہے۔بہر حال ابن ابی سبرہ کو ضعیف کہنا درست ہے واضع الحدیث کہنا بہت بعید ہے۔

پھر بعض محدثین نے بعض راویوں کو واضع الحدیث کہا ہے لیکن دیگر بعض نے توثیق بھی کی ہے ،ایسے راویوں کی روایت ہمارے اکابرؒ نے قبول کی ہے ،یعنی بعض حضرات کے کسی راوی کو واضع الحدیث کہنے کا اعتبار نہیں کیا جب کہ واضع الحدیث ہونے کی صحیح اور معقول وجہ بیان نہ کی گئی ہو جیسے محمد بن اسحاق کو امام مالکؒ نے **دجال من الدجاجلہ** کہا لیکن ان کی روایت کو قبول کیا ہے۔اسی طرح امام حفص بن سلیمان کی قراءت و روایت مقبول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر بن ابی سبرہ کی روایت مقبول ہوگی ہاں ضعیف کہہ سکتے

ہیں موضوع کہنا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شمس الدین ذہبیؒ تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں:

أبوبكر بن عبد الله بن محمد بن أبي سبرة ، القرشي ، السبرى المدني، الفقيه ، قاضى العراق ، سمع : عبد الرحمن بن هرمزالأعرج ، وعطاء بن ابى رباح ،وزيدبن اسلم ، وشريک بن ابى نمر ، وطائفة ، وعنه : ابن جريج مع تقدمه ، وابوعاصم ، والواقدى وعبدالرزاق ، وغيرهم ،ضعفه البخارى وغيره ...وقال أبوداود: كان مفتى أهل المدينة . وروى عباس عن ابن معين قال: ليس حديثه بشيء ، قدم ههنا فاجتمع عليه الناس فقال: عندى سبعون ألف حديث ، إن أخذتم عني كما أخذ ابن جريج ... ، وروى معن ، عن مالکؒ، قال لي أبوجعفر المنصور: يا مالک ، من بقي بالمدينة من المشيخة (مشیخہ کا مطلب مقتدیٰ ہے تو کیا واضع الحدیث کو اہل مدینہ نے مقتدیٰ بنالیا تھا) قلت: ابن أبي ذئب ، وابن أبي سلمة الماجشون ، وابن أبي سبرة ، وقال النسائي: متروک الحديث ...وقال : ابن سعد : أنا محمد بن عمر ، سمعت أبابكر بن أبي سبرة يقول : قال لي ابن جريج : اكتب لي أحاديث من أحاديث جياد، فكتبت له ألف حديث ثم دفعتها إليه ، ما قرأها علي، ولا قرأتها عليه . وقال أحمد : قال لي حجاج قال لي ابن أبي سبرة : عندي سبعون ألف حديث فى الحلال والحرام ... قال مصعب الزبيرى : كان من علماء قريش ولاه المنصور القضاء . وقال ابن سعد : مات سنة اثنتين وستين

ومائة ببغداد ...وولی قضاء مکة لزیاد بن عبید اللّٰہ ...الخ. (تاریخ الاسلام : ۱۰/ ۵۳۵۔۵۳۷، دارالکتاب العربی).

وینظر للاستزادة (تاریخ بغداد :۱۴/ ۳۶۷۔ ۳۷۱،ط: دارالکتب العلمیة بیروت،ومختصرتاریخ دمشق :۸/ ۲۹۴۔۲۹۶ ،وتاریخ الاسلام للذہبی و الوافی بالوفیات،والطبقات الکبری لابن سعد : ۱/ ۴۵۸،ط: مکتبة العلوم والحکم ،وتهذیب الکمال للامام المزی : ۳۳/ ۱۰۲۔۱۰۸).

وقال فی تاریخ بغداد وتاریخ دمشق : وکان کثیر العلم والسماع والروایة .(تاریخ دمشق:۸/ ۲۹۴،وتاریخ بغداد:۱۴/ ۳۶۹،ط: مؤسسة الرسالة).

بعض ائمہ کوامام احمد بن حنبلؒ کے واضع الحدیث کہنے سے اتفاق نہیں ہے اسی وجہ سے انہوں اس کا تذکرہ نہیں کیا صرف توثیق کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ملاحظہ ہوتکملة الاکمال میں ہے:

وأبوبکر عبد اللّٰہ بن أبي سبرة بن أبي رهم بن عبد العزی مفتی أهل المدینة حدث عن إسحاق بن عبد الله بن أبی فروة و شریک بن عبد اللّٰہ بن أبی نمر و محمد بن عبد الرحمن ابن أبي ذئب روی عنه وعبد الرزاق بن همام و قال عباس الدوری سمعت یحیی بن معین یقول : أبوبکر بن ابی سبرة الذی یقول له السبری هومدنی لیس حدیثه بشيء وقال أبوعبید محمد بن علی الآجری سألت أباداود یعنی السجستانی عن أبی السبری فقال هو أبوبکر بن أبي سبرة مفتی أهل

المدينة . (تكملة الإكمال لأبي بكر محمد بن عبد الغنى البغدادى : ۲۸٦/۳).

حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں مفصل حالات ذکر کیے ہیں۔ ابتدا میں فرماتے ہیں:

الفقيه الكبير قاضى العراق ...ضعف من قبل حفظه . یعنی حدیث کے ساتھ زیادہ شغف نہ ہونے کی وجہ سے حدیث میں کمزور تھے اور اس کی تائید امام بزار کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے لین الحدیث فرمایا ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (سير اعلام النبلاء : ۳۳۰/۷، ۳۳۲،ط : مؤسسة الرسالة).

تہذیب الکمال میں امام مزیؒ نے بھی مفصل حالات تحریر کیے ہیں اور پندرہ شعبان کے روزے والی روایت بھی اپنی سند سے نقل فرمائی ہے اور کوئی کلام بھی نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی یہ روایت موضوع نہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تہذیب الکمال:۳۳/۱۰۲۔۱۰۸)۔

نیز امام فاکہی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب " أخبار مكة " (رقم:۱۸۳۷) میں یہ روایت اپنی سند سے نقل فرمائی ہے اور موضوع نہیں کہا۔ نیز امام یحیی بن الحسین الشجری نے " الأمالي الشجريه" (ص۲۳۷) پر یہ روایت نقل فرمائی ہے اور کوئی کلام نہیں فرمایا۔

علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں فقط ضعیف کہا ہے، اسی طرح تخریج الاحیاء میں حافظ عراقیؒ نے بھی ضعیف کہا ہے، امام شوکانیؒ نے بھی الفوائد المجموعہ (ص۵۱) پر ضعیف کہا ہے، شیخ محمد طاہر پٹنی نے بھی ضعیف کہا ہے، یعنی ان محدثین میں سے کسی نے اس روایت کو موضوع نہیں کہا۔ و كفى بهم قدوة ۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں اس حدیث کے موضوع نہ ہونے کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں:

پہلی وجہ: محض ایک راوی کے اوپر وضع کے اتہام سے حدیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا، اگر یہ حدیث موضوع ہوتی تو حافظ منذریؒ اس کو اپنی کتاب ''الترغیب والترہیب'' میں ذکر نہ کرتے، اس لیے کہ ان کے سلسلے میں علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ اگر تمھیں معلوم ہوجائے کہ کوئی حدیث منذریؒ صاحبِ ترغیب وترہیب کی تصانیف میں موجود ہے تو اس کو اطمینان سے بیان کرسکتے ہو (یعنی وہ موضوع نہیں ہوسکتی) (الرحمۃ المرسلۃ فی شأن حدیث البسملۃ: ص ۱۵)۔

دوسری وجہ: اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جن حضرات نے سنن ابن ماجہ کی موضوع احادیث کی نشاندہی کی ہے ان میں اس حدیث کا ذکر نہیں ملتا، ''ما تمس إليه الحاجة'' میں وہ ساری احادیث مذکور ہیں۔ (محدثِ کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، بہ حوالہ شبِ براءت کی شرعی حیثیت، ص ۶)۔

تیسری وجہ: ابن ابی سبرہ پر جرح شدید ہے، ان کے ضعیف ہونے میں شبہ نہیں؛ تاہم بعض اہل علم ایسے بھی ہیں، جنھوں نے ان کے بارے میں بلند کلمات کہے ہیں؛ جیسا کہ تاریخ خطیب بغدادیؒ میں ان کے تفصیلی ترجمہ کے ضمن میں موجود ہیں، نیز شیخ محمد طاہر پٹنیؒ نے ان کو قاضی العراق لکھا ہے، جہاں بعض محدثین نے ان کی طرف وضع کی نسبت کی ہے، وہیں بعض نے محض ضعیف کہا ہے۔

لہٰذا قطعی طور پر اس حدیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا، ہاں ضعیف ضرور کہا

جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ پندرہویں شعبان کے روزے کو نہ تو واجب وسنت کہا جاسکتا ہے، نہ ہی بدعت کہہ کر بالکل رد کیا جاسکتا ہے؛ بلکہ اس کو مستحب کہا جائے گا۔ (ماہنامہ دار العلوم دیوبند، ص۱۲، شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ مطابق جون ۲۰۱۳ء)۔

اور فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل علماء کے یہاں مروج ہے۔

فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کے متعلق محدثین کے اقوال

ماقبل میں تفصیل سے مذکور ہوئے البتہ مزید چند ملاحظہ فرمائیے:

روی الخطیب البغدادی فی " الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع "(رقم: ۱۲۸۰): قال: أنا محمد بن أحمد بن یعقوب أنا محمد بن نعیم، قال: سمعت یحیی بن محمد العنبری، یقول: نا محمد بن إسحاق بن راهویه، قال: کان أبي یحکي عن عبد الرحمن بن مهدی ، أنه کان یقول: إذا روینا فی الثواب والعقاب وفضائل الأعمال ، تساهلنا فی الأسانید والرجال، وإذا روینا فی الحلال والحرام والأحکام تشددنا فی الرجال ".

قال الشیخ تقی الدین ابن الصلاح : نقاد أهل الحدیث یتسامحون فی أسانید الرغائب والفضائل . (البدر المنیر لابن الملقن: ۲/ ۲۸۰، ط: الریاض).

وقال الخطیب فی " الکفایة فی علم الروایة " (ص ۱۳۳، باب التشدیدفی احادیث الاحکام والتجوز فی فضائل الاعمال) قد ورد عن غیر واحد من السلف أنه لا یجوز حمل الأحادیث المتعلقة بالتحلیل والتحریم إلا

عمن كان بريئاً من التهمة بعيداً من الظنة ، وأما أحاديث الترغيب والمواعظ ونحو ذلك فإنه يجوز كتبها عن سائر المشايخ ثم أسند هذه الآثار التالية :

۱ / عن سفيان الثورى قال: لا تأخذوا هذا العلم فى الحلال والحرام إلا من الرؤساء المشهورين بالعلم الذين يعرفون الزيادة والنقصان ، ولا بأس بما سوى ذلک من المشايخ۔

۲ / عن سفيان بن عيينة قال: لا تسمعوا من بقية ما كان في سنة واسمعوا منه ما كان في ثواب وغيره .

۳ / عن أحمد بن حنبل قال : إذا روينا عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا فى الأسانيد وإذا روينا عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم في فضائل الأعمال وما لا يضع حكماً ولا يرفعه تساهلنا فى الأسانيد .

۴ / عن أبي زكريا العنبرى قال: الخبر إذا ورد لم يحرم حلالاً ولم يحل حراماً ، ولم يوجب حكماً ، وكان في ترغيب أو ترهيب أو تشديد أو ترخيص : وجب الإغماض عنه والتساهل في رواته . انتهى النقل عن الخطيب .

ابن قدامہؒ المغنی میں فرماتے ہیں:

النوافل والفضائل لاتشترط صحة الحديث فيها . (المغنى : ۱/ ۷٦۹، فصل فى صلاة التسبيح، دارالكتب العلمية).

امام نوویؒ الاذکار میں فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثين و الفقهاء وغيرهم : يجوز ويستحب العمل فى الفضائل و الترغيب و الترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً وأما الأحكام كالحلال و الحرام و البيع و النكاح و الطلاق وغير ذلک فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن إلا أن يكون في احتياط في شيء من ذلک ، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة فإن المستحب أن يتنزه عنه ولكن لا يجب. (کتاب الاذکار، ص ۲۵،ط: مکتبة دارالبیان).

محقق ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع . (فتح القدیر: ۱۳۳/۲، فی اواخر من باب الصلاة علی المیت ،دارالفکر).

ابن بدران الحنبلی المدخل إلى مذهب الإمام أحمد بن حنبل میں فرماتے ہیں: **تتمة : ذهب الإمام أحمد وتبعه موفق الدين المقدسي والأكثر إلى أنه يعمل بالحديث الضعيف في الفضائل .** (المدخل الی مذهب الامام احمد بن حنبل : ۱۰٤/۱ ، الاصل الثانی : السنة ، ط: دارالکتب العلمیة بیروت).

تتمة اضواء البيان میں ہے:

ولو فرض وقدر جدلاً أنه في السند مقالاً ، فإن أئمة الحديث لايمنعون إذا لم يكن في الحديث حلال أوحرام أو عقيدة ، بل كان باب فضائل الأعمال لايمنعون العمل به ، لأن باب الفضائل لايشدد فيه هذا التشدد ونقل السيوطي مثل ذلک عن أحمد وابن المبارک .

(تتمة اضواء البیان للشیخ عطیة سالم تلمیذ الشیخ الشنقیطی:۵۷۲/۸).

فتح المغیث میں امام سخاویؒ لکھتے ہیں

هذا مع أن مجرد تفرد الكذاب بل الوضاع ولو كان بعد الاستقصاء والتفتيش من حافظ متبحر تام الاستقراء غير مستلزم لذلک بل لا بد معه من انضمام شيء مماسيأتی . (فتح المغيث : ۱/ ۲۵۱). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۲)

بروزِ جمعہ عصر کے بعد خاص درود شریف کی تحقیق:

سوال: جمعہ کے دن بعد العصر درود شریف جومشہور ومعروف ہے اور عام مساجد میں اس کے اشتہارات آویزاں کیے جاتے ہیں، کیا یہ درود شریف انہی الفاظ کے ساتھ حدیث میں وارد ہوا ہے یا نہیں؟ اگر وارد ہوا ہے تو سنداً اس حدیث کا کیا درجہ ہے؟ تحقیق مطلوب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علامہ سخاویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب " القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع" میں بحوالہ ابن بشکوال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے بعد العصر کی تخصیص کے ساتھ یہ درود شریف نقل فرمایا ہے۔ اور مزید براں حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی نسبت فرمائی ہے کہ ان سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ القول البدیع کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

وفي لفظ عند ابن بشكوال من حديث أبي هريرة رضي الله عنه أيضاً : " من صلى صلاة العصر من يوم الجمعة فقال قبل أن يقوم من مكانه: "

اللّٰهم صلّ على محمد النبي الأمي وعلىٰ آله وسلم تسليماً ، ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً ، و كتبت له عبادة ثمانين سنة". و نحوه عن سهل كما سيأتي . (القول البديع ،ص ٣٨١،ط:مؤسسة الريان).

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ: جو شخص جمعہ کے دن عصر کے بعد اپنی جگہ سے کھڑا ہونے سے پہلے اسی (٨٠) مرتبہ یہ درود شریف پڑھے: "**اللّٰهم صلّ على محمد النبي الأمي وعلىٰ آله وسلم تسليماً**" اس کے اسی (٨٠) سال گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور اسی (٨٠) سال کی عبادت کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔

حدیث شریف پر کلام ملاحظہ کیجئے:

علامہ سخاویؒ نے ابن بشکوال کا حوالہ دیا ہے، اور ابن بشکوال ابو القاسم خلف بن عبد الملک بن بشکوال م٥٧٨ھ کی کتاب "**القربة الى رب العالمين بالصلاة على محمد سيد المرسلين**" ہے جو سید محمد سید اور خلاف محمود عبد السمیع کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان سے شائع ہوئی ہے۔

زیر نظر کتاب کی مراجعت اور ورق گردانی کے باوجود مذکورہ بالا روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مذکورہ الفاظ کے ساتھ بندہ کو دستیاب نہیں ہوئی۔ بایں وجہ اس روایت پر بندہ مثبت یا منفی انداز میں کلام کرنے سے قاصر ہے۔ ہاں ابن بشکوال نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مذکورہ روایت کے مشابہ ایک روایت کی تخریج فرمائی ہے وہ روایت درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

قال الشيخ أبو القاسم ابن بشكوال، وقرأت على القاضي أبي بكر بن العربي قال: أنبأنا ابن المبارك بن عبد الجبار حدثنا أبوطالب

العشاري حدثنا عمر بن شاهين حدثنا الحسن بن إسماعيل الضبي وأحمد بن عبد الله بن نصر بن بحير قالا: حدثنا سعيد بن تواب حدثنا عون بن عمارة(منكرالحديث) حدثنا سكن البرجمي عن الحجاج بن سنان(متروک) عن علي بن زيد (ضعيف ، رافضي) عن سعيد بن المسيب أظنه عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " الصلاة علي نور على الصراط ، فمن صلى علي يوم الجمعة ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً ". (القربة لابن بشكوال،ص ۱۱۱، رقم الحديث: ۱۰۹).

قال المحشي : رواه الخطيب البغدادی فی تاریخه (۱۳/ ۴۸۹) من حديث أنس رضی اللہ عنہ. وذكره الألبانی فی الضعيفة.

دونوں روایتوں کے مابین فرق واضح ہے تاہم حدیث پر کلام ملاحظہ ہو:

قلت : إسناده ضعيف جداً ؛ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے،اس میں تین رواۃ پر سخت کلام ہے۔(۱)علی بن زید بن جدعان ؛ضعیف اور رافضی قسم کا آدمی تھا۔(الميزان:۳/۱۲۷،والتقريب،ص۶۸ ۴مع تحرير التقريب).

(۲) حجاج بن سنان ؛کوحافظ ازدی نے متروک کہا ہے۔(الميزان: ۱/۴۶۳، واللسان: ۲/۱۶۲).

(۳)عون بن عمارہ ؛کوابوزرعہ اورحاکم نے منکر الحدیث کہااورامام ابوداود نے ضعیف کہااورابن عدی نے کہا کہ ضعف کے باوجود حدیث لکھی جاسکتی ہے،ساجی نے کہا:سچا ہےلیکن اس میں غفلت تھی اوروہم ہوجا تا ہے۔(التهذيب: ۱۴۸/۸).

نیز اس حدیث کی تخریج ابن شاہین نے الترغیب میں (ص۹۲) پر اور دارقطنی نے ''الافراد'' میں اور ابوالشیخ اور الضیاء المقدسی وغیرہ حضرات نے بھی فرمائی ہے۔

قال الدارقطني : تفرد به حجاج بن سنان عن علي بن زيد فلم يروه عن حجاج إلا السكن بن أبى السكن قال ابن حجر في تخريج الأذكار : والأربعة ضعفاء وأخرجه أبونعيم من وجه آخر وضعفه ابن حجر. (فيض القدير: ۲۴۹/۴).

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تحقیق:

علامہ سخاویؒ نے حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بحوالہ ابن بشکوال بیان فرمائی ہے، بنابریں ہم ابن بشکوال کی کتاب " القربة " سے نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

قال ابن بشكوال: قال شيخنا أبو القاسم : وروينا عن سهل بن عبد الله : من قال في يوم الجمعة بعد العصر : " اللّٰهم صلِّ على محمد النبي الأمي وعلى آله وسلم ، ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين سنة".

(القربة لابن بشكوال ،ص ۱۱۴ ،رقم: ۱۱۴).

پہلی روایت یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت اور اس دوسری روایت کے مابین تین فروق ہیں:

الف: پہلی روایت میں: " **قبل أن يقوم من مكانه** " کے الفاظ موجود ہیں، جب کہ دوسری میں نہیں ہیں۔

ب: پہلی روایت میں: " **وسلم تسليماً** " ہے، اور دوسری میں "

تسليماً " نہیں ہے۔

ج : پہلی روایت میں " کتبت لہ عبادة ثمانین سنة " ہے دوسری روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔

مزید براں ابن بشکوالؒ نے اس حدیث کی کوئی سند ذکر نہیں فرمائی، فقط اپنے شیخ ابوالقاسم کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے جب کہ شیخ ابوالقاسم احمد بن تقی م۵۳۲ھ کے درمیان اور سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مفاوز ہیں، طویل فاصلہ ہے اور سلسلہ سند منقطع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ روایت حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

لہذا اسناد اور رجال کا حال معلوم کیے بغیر اس روایت کے بارے میں کچھ کلام کرنا مشکل ہے اور یہ کہنا کہ علامہ سخاویؒ بہت بڑے آدمی تھے، جرح وتعدیل میں ان کا اونچا مقام تھا، یا شیخ ابن بشکوالؒ بہت بڑے آدمی تھے یا ان کے شیخ ابوالقاسم بڑے حضرت تھے، یہ بات فن اصولِ حدیث کی رو سے کسی حدیث کے اثبات کے لیے ناکافی ہے۔ لأنه لایشفی العلیل ولا یروی الغلیل .

وجہ یہ ہے کہ کثیر تعداد میں محدثین نے حدیث کی کتابیں مرتب فرمائی ہیں اور جملہ محدثین بڑے بزرگ اور ثقہ، ثبت تھے ان کی علمی عملی شان میں کوئی کمی نہیں تھی لیکن ان کی بعض کتابوں میں موضوعات بھی شامل ہیں۔

البتہ اس بارے میں ایک دوسری حدیث مروی ہے جس کو خطیب بغدادی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تاریخ بغداد" میں ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال الخطیب البغدادي : وهب بن داود بن سلیمان أبو القاسم المخرمي حدث عن إسماعیل بن علیة روی عنه محمد بن جعفر

المطيري وكان ضريراً ولم يكن ثقة أخبرنا أبوطالب عمر بن إبراهيم الفقيه حدثنا عمر بن إبراهيم المقرئ حدثنا محمد بن جعفر المطيري حدثنا وهب بن داود بن سليمان الضرير حدثنا إسماعيل بن إبراهيم حدثنا عبد العزيز بن صهيب عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كنت واقفاً بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: من صلى علي يوم الجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين عاماً فقيل له كيف الصلاة عليك يا رسول الله قال: تقول: "**اللّٰهم صلِّ على محمد عبدك ونبيك ورسولك النبي الأمي**"، وتعقد واحداً. (تاريخ بغداد: ۱۳/ ۷۳۲٦/٤٨٩).

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، امام دارقطنی نے اپنی کتاب ''الافراد'' میں نقل کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ تحقیق ماقبل میں گزر چکی ہے۔

البتہ خطیب بغدادی کی روایت میں صرف ایک راوی وہب بن داود کو خطیب بغدادی نے "لم یکن بثقة" فرمایا ہے۔ اگر چہ شیخ البانی صاحب نے اس کو موضوع کہا ہے لیکن شیخ البانی صاحب کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اس کی سند میں کوئی کذاب، وضاع راوی نہیں ہے بلکہ فقط ایک ضعیف راوی ہے اس کی وجہ سے موضوع کہہ دینا بہت بڑی جرأت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث دیگر احادیث کے مقابلہ میں ٹھیک ہے اور قابل عمل ہے ہاں اس میں جمعہ کے دن بعد العصر کی کوئی تخصیص

نہیں ہے لہذا پورے دن میں کبھی بھی پڑھ سکتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳)

بروزِ جمعہ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی تحقیق:

سوال: عام طور پر ایک حدیث شریف " **من صلى علي يوم الجمعة ألف مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة** " جمعہ کے دن بیان کی جاتی ہے اور اس پر عمل کی ترغیب دی جاتی ہے۔ کیا یہ حدیث شریف، حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے یا نہیں ؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو سنداً اس کا کیا درجہ ہے؟ تحقیق مطلوب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ حدیث شریف دو طریق سے مروی ہے (۱) حافظ ابن شاہین کے طریق سے اور اس میں "یوم الجمعہ" کے الفاظ نہیں ہیں، اور یہ طریق سنداً ضعیف ہے، علامہ سخاویؒ نے اس کو منکر کہا ہے، اس میں ایک راوی محمد بن عبد العزیز الدینوری منکر الحدیث ہے۔ اور دوسرا راوی حکم بن عطیہ ضعیف ہے۔

(۲) دوسرا طریق حافظ ابو القاسم الاصبہانی کا ہے، اس میں "یوم الجمعہ" کے الفاظ موجود ہیں، اور یہ بھی سنداً ضعیف ہے اس میں ایک راوی محمد بن عبد اللہ بن محمد بن سنان القزاز البصری مجہول ہیں، شیخ البانی صاحب نے کہا " **لم أعرفه** " پھر کہا: شاید محمد بن سنان ہوگا جو کہ مشہور ضعیف راوی ہے۔

قال الشيخ الألباني: محمد بن عبد الله بن محمد ؛ لم أعرفه ، ولعل الأصل ...عن محمد بن سنان ؛ فإن محمد بن سنان القزاز البصري معروف وهو ضعيف. والله أعلم . (سلسلة الضعيفة: ۱۸۹/۱۱).

اگراس سند میں محمد بن عبداللہ بن محمد بن سنان القزاز البصری سے مراد محمد بن سنان القزاز البصری ہو جیسا کہ شیخ البانی صاحب نے "لعل الأصل" سے ذکر کیا ہے تو اس پر سخت کلام ہے۔ ملاحظہ ہو: قال ابن الجوزی: محمد بن سنان بن يزيد بن الذيال ، أبو الحسن ، القزاز، البصرى؛حدث عن روح بن عبادة . كان أبو داود السجستاني يطلق عليه الكذب ، و قال عبد الرحمن بن خراش: هو كذاب. (كتاب الضعفاء و المتروكين: ۷۰/۳،و تاريخ بغداد: ۳۴۵/۵).

حافظ ابن الجوزیؒ نے محمد بن سنان بن یزید بن الزیال ابوالحسن القزاز البصری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ابوداود نے اس کو متہم بالکذب قرار دیا، اورعبد الرحمٰن بن خراش نے کذاب کہا ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے محمد بن سنان کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام دارقطنیؒ نے " لا بأس به " فرمایا،یعنی ٹھیک ہے۔

قال الخطيب في تاريخ بغداد: وروى الحاكم أبوعبد الله بن البيع أنه سمع الدارقطني يقول: محمد بن سنان القزاز أصله بصري سكن بغداد لا بأس به . (تاريخ بغداد: ۳۴۳/۵).

اور اگر کوئی دوسرا ہوتو پھر وہ مجہول ہے۔

کیونکہ ان کے استاذ قرۃ بن حبیب مشہور محدث ہیں امام مزیؒ نے ان کے ترجمہ میں ان کے ۳۲ شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں محمد بن عبداللہ بن محمد کا نام کہیں مذکور نہیں ہے۔ نیز ان سے روایت کرنے والے جعفر بن محمد بن الحسن ہے ان کے اساتذہ میں بھی محمد بن عبداللہ بن محمد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ دیکھئے: (تہذیب الکمال: ۲۳/۴، ۵۷۔ وتذکرۃ الحفاظ).

اور دوسرا راوی حکم بن عطیہ ضعیف ہے۔

قال الحافظ فی التقریب: صدوق له أوهام، وقال فی تحریر التقریب: بل ضعیف یعتبر به ؛ ضعفه أبو داود الطیالسی، والنسائی، وأبو أحمد الحاكم، وقال سلیمان بن حرب: عمدت إلى حدیث المشایخ فغسلته ، فقیل : مثل من؟ قال مثل الحكم بن عطیة وقال الترمذی: قد تكلم فیه بعضهم ، وقال ابن أبي حاتم: سألت أبي عن الحكم بن عطیة فقال: یكتب حدیثه ، ولیس بمنكر الحدیث، وكان أبو داود یذكره بجمیل، قلت: یحتج به ؟ قال: لا، من ألف شیخ یحتج بواحد، لیس هو بالمتین هو مثل الحكم بن سنان، وقال ابن حبان فی المجروحین: كان أبو الولید شدید الحمل علیه ، ویضعفه جداً ، وكان الحكم ممن لا یدري ما یحدث ، فربما وهم الخبر یجیء كأنه موضوع ، فاستحق الترک ، وانفرد ابن معین بتوثیقه . (تحریر التقریب: ۱/ ۳۱۰، ۳۱۱) .

محدثین کے ہاں" فلان یعتبر به "کا مطلب یہ ہے کہ صرف متابعات

وشواہد میں لے سکتے ہیں انفراداً اس کی روایت مقبول نہیں۔

وقال في فتح المغيث: قال ابن الصلاح : واعلم أنه قد يدخل في باب المتابعة والاستشهاد رواية من لايحتج بحديثه وحده بل يكون معدوداً في الضعفاء وفي كتابي البخاری ومسلم جماعة من الضعفاء ذكرهم في المتابعات والشواهد وليس كل ضعيف يصلح لذلك ولهذا يقول الدارقطني وغيره: فلان يعتبربه وفلان لا يعتبر به . (فتح المغيث : ۱/ ۲۰۹).

علامہ سخاویؒ نے اس حدیث کو بھی منکر کہا ہے۔

حافظ ابوحفص عمر بن احمد ابن شاہین البغدادی م ۳۸۵ھ کا طریق ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا عمر، نا عثمان بن أحمد ، أنا محمد بن أحمد بن البراء ، أنا محمد بن عبد العزيز الدينوری (منكرالحديث)،أنا قرة بن حبيب القنوی، أنا الحكم بن عطية (ضعيف، حدث عن ثابت أحاديث لايتابع عليها قاله الدارقطنی)، عن ثابت ، عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : **"من صلى علي في يومٍ ألف مرة ، لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة "** . (الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك لابن شاهين، ص ۲۲، رقم الحديث : ۱۹).

قال المحشی صالح أحمد : إسناده ضعيف . (ص ۱۹). وأيضاً أخرجه ابن سمعون في أماليه (رقم: ۵۶).

حافظ قوام السنہ ابوالقاسم الاصبہانی م ۵۳۵ھ کا طریق ملاحظہ کیجئے:

قال الحافظ أبو القاسم إسماعيل بن محمد ابن الفضل الجوزى الأصبهاني : أخبرنا محمد بن عبد الله الكاذى ، ثنا الحسين بن محمد الهاشمي ، ثنا أبو عبد الله بن يعقوب القساملي، ثنا محمد بن أستاذ ، ثنا جعفر بن محمد بن الحسن ، ثنا محمد بن عبد الله بن محمد بن سنان القزاز البصرى (مجهول)، ثنا قرة بن حبيب ، ثنا الحكم بن عطية (ضعيف، حدث عن ثابت أحاديث لا يتابع عليها قاله الدارقطنى) ، ثنا ثابت ، عن أنس بن مالك ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " **من صلى علي في يوم الجمعة ألف مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة**". (كتاب الترغيب و الترهيب : ١/٣٨٢،رقم الحديث ٨٨٣).

وقال المحشي: عزاه السيوطي في نور اللمعة (١٨٢) للمصنف وعزاه ابن القيم في جلاء الأفهام (ص٣٢) لابن شاهين وقال السخاوي (في القول البديع،ص٢٦٧) : رواه ابن شاهين في ترغيبه وغيره وابن بشكوال من طريقه وابن سمعون في أماليه وهو عند الديلمي من طريق أبي الشيخ. وأخرجه الضياء في المختارة [قال الشيخ الألباني: وسقط الحديث من مطبوعة "المختارة" ، وليس فيه ترجمة لـ الحكم ابن عطية عن ثابت عن أنس ﷺ. فالظاهر أنها كانت قصاصة من القصاصات التي كان يلحقها بمكانها ، وقد شاهدت منها الشيء الكثير في نسخة الظاهرية ، وهي بخط المؤلفؒ ، وهذه ربما ضاعت أو لم تصور (سلسلة الضعيفة: ١١/١٩٠)] وقال: لا أعرفه إلا من حديث الحكم بن عطية . قال الدارقطني: حدث عن ثابت أحاديث لا يتابع عليها، وقال أحمد: لا

بأس به ، إلا أن أباداود الطيالسي روى عنه أحاديث منكرة وقال السخاوي: وبالجملة فهو حديث منكر كما قال شيخنا . (التعليقات على كتاب الترغيب للشيخ محمد السعيد بن بسيوني زغلول: ١/٣٨٢).

وقال السخاوي في" القول البديع"(ص٣٨٢): وعن أبي عبد الرحمن المقرئ قال: بلغني أن خلاد بن كثير كان في النزع فوجد تحت رأسه رقعة مكتوب فيها : هذه براءة من النار لخلاد بن كثير، فسألوا أهله : ما كان عمله ؟ فقال أهله: كان يصلي على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كل يوم جمعة ألف مرة : اللّٰهم صل على محمد النبي الأمي ، ويروى في ذلک الحديث الماضي:" من صلى على يوم الجمعة ألف مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة "رواه أبوموسى المديني، وذكره ابن النعمان وغيره ولم أقف على أصله ، انتهى .

قلت: أخرجه أبوالشيخ الأصبهاني في طبقات المحدثين بأصبهان (رقم: ٤٨٢). ويحيى بن الحسين الشجري في "الأمالي الشجرية " (٢/١٠٥).

خلاصہ یہ ہے کہ یوم الجمعہ کی قید کے ساتھ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔ اگر اس کی سند میں محمد بن سنان بصری ہوتو اس کو ابوداود وغیرہ نے کذاب کہا ہے اور اگر محمد بن عبداللہ بن محمد ہوتو وہ مجہول الذات والعدالۃ ہے اور حکم بن عطیہ کی بھی اکثر نے تضعیف کی ہے۔

علماء نے حدیثِ ضعیف پر عمل پیرا ہونے کی چند شروط تحریر فرمائی ہیں:

(۱) ضعف شدید نہ ہو یعنی اس کی سند میں کذاب یا متہم بالکذب راوی موجود نہ ہو۔ (متقدمین اور متأخرین نے اس شرط کے خلاف عمل ظاہر کیا ہے، از شیخ محمد عوامہ، راجع: حکم العمل بالحدیث الضعیف، ص۸۰)۔

(۲) ضعیف حدیث اصولِ شریعت سے متصادم نہ ہو۔

(۳) ضعیف حدیث کو احتیاط کے درجہ میں تسلیم کیا جائے سنتِ مؤکدہ کے درجہ میں نہیں۔ ملاحظہ ہو تدریب الراوی میں مذکور ہے:

وذكر شيخ الإسلام له ثلاثة شروط ؛ أحدها : أن يكون الضعف غير شديد ، فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه نقل العلائی الاتفاق علیه . الثاني: أن يندرج تحت أصل معمول به . الثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط . (تدریب الراوی: ۱/۲۹۸).

(وكذا فی ظفر الامانی ،ص ۱۱۲ ، وفتاوی الشامی: ۱/۱۲۸ ،سعید ، وفتح القدير: ۲/۱۳۳).

علامہ شامیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایسی ضعیف حدیث کو بغیر سند بیان کیا جائے تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہنا چاہئے بلکہ ایک روایت میں آیا ہے کہنا چاہئے۔ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: **وأما الضعيف فتجوز روايته بلا بيان ضعفه لكن إذا أردت روايته بغير إسناد فلا تقل قال رسول الله كذا وما أشبهه من صيغ الجزم بل قل روي كذا وبلغنا كذا وما أشبهه من صيغ التمريض وكذا ما شك في صحته وضعفه كما في التقريب .**

(فتاوی الشامی: ۱/۱۲۸،تحت ادلة الوضو،سعید).

شیخ محمد عوامہ صاحب حفظہ اللہ نے اس موضوع پر مفید بحث فرمائی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک حدیث ضعیف فضائل میں ہوتو اس کا ضعف یا صیغہ تمریض سے بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ قال: انه لا یحتاج الی بیان ضعف الضعیف ما دام في بابه ... (حکم العمل بالحدیث الضعیف،ص ۲۲۹). وقال أیضاً : ثالث الملاحظات: هل یجب علی العالم أن یقرن ذکر الحدیث الضعیف ببیان ضعفه،کما هو الواجب علیه حال ذکره حدیثاً موضوعاً؟ وجوابه من کلام علمائنا السابقین ومن واقعهم : أنه لا یجب . (حکم العمل بالحدیث الضعیف،ص۲۳۷).

وللاستزادة ینظر: حکم العمل بالحدیث الضعیف ، (ص ۲۲۸ــ ۲۴۰). والله سبحانه وتعالیٰ أعلم بالصواب .

(۴)

ماہِ رجب میں روزے کے متعلق احادیث کی تحقیق:

ماہِ رجب میں روزے کے بارے میں دوقسم کی روایات مروی ہیں (۱) پہلی قسم روزہ رکھنے کی فضیلت میں ۔لیکن تقریباً تمام روایات ضعیف ہیں ۔(۲) دوسری قسم روزہ رکھنے کی ممانعت والی روایات۔

پہلی قسم روزہ رکھنے کی فضیلت میں روایات کی تحقیق ملاحظہ کیجئے:

(۱) أخرج الإمام البیهقي في شعب الإیمان (۳۵۲۰) بسنده عن عبد العزیز بن سعید ، عن أبیه قال: قال رسول الله صلی الله علیه

وسلم: من صام يوماً من رجب كان كصيام سنة ومن صام سبعة أيام غلقت عنه سبعة أبواب جهنم ، ومن صام ثمانية أيام فتحت له ثمانية أبواب الجنة ، ومن صام عشرة أيام لم يسأل الله عزوجل شيئاً إلا أعطاه ومن صام خمسة عشر يوماً نادى منادٍ من السماء : قد غفرت لك ما سلف فاستأنف العمل قد بدلت سيئاتكم حسنات ، ومن زاد زاده الله عزوجل ، وفي شهر رجب حمل نوح في السفينة ، فصام نوح ، وأمر من معه أن يصوموا ، وجرت بهم السفينة ستة أشهر إلى آخر ذلك لعشر خلون من المحرم .

قلت: إسناده ضعيف ، قال الهيثمي في المجمع : وفيه عبد الغفور وهو متروك. وعثمان بن مطر الشيباني ضعيف .

وأيضاً أخرجه في فضائل الأوقات (رقم:٩) والطبراني في الكبير (٦/٦٩/٥٥٣٨)، والأصبهاني في الترغيب والترهيب (رقم:١٨٢٢) وعبد العزيز الكتاني في فضائل رجب والبخاري في الضعفاء .

(٢) صوم أول يوم من رجب كفارة ثلاث سنين ، والثاني كفارة سنتين ، والثالث كفارة سنة ،ثم كل يوم شهر .

أخرجه أبومحمد الخلال في فضائل رجب عن ابن عباس رضي الله عنه كما في الجامع الصغير للإمام السيوطي (٥٠٥١) ورمز له بالضعف . قال المناوي في التيسير بشرح الجامع الصغير (٩٥/٢): إسناده ساقط .

(٣) وعن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم : إن في الجنة نهراً يقال له : رجب أشد بياضاً من اللبن وأحلى من العسل من صام من رجب يوماً سقاه الله من النهر .

أخرجه الإمام البيهقي في شعب الإيمان (٣٥١٩)، وفي فضائل الأوقات (٨)، وابن حبان في المجروحين (٢/٢٣٨).

قال ابن الجوزي: لايصح فيه مجاهيل، لا ندرى من هم . (العلل المتناهية، رقم:٩١٢) وقال الذهبي : والخبرباطل . (الميزان، رقم ٨٧٩٤ في ترجمة منصور بن يزيد).

وللمزيد من البحث راجع : (تبيين العجب بماورد في شهر رجب للحافظ ابن حجر العسقلانيؒ).

(۴) عن سلمان الفارسي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: في رجب يوم وليلة من صام ذلك اليوم وقام تلك الليلة كمن صام من الدهر مائة سنة وهو لثلاث بقين من رجب وفيه بعث الله محمداً صلى الله عليه وسلم .

أخرجه البيهقي في شعب الإيمان (٣٥٣٠)، وقال: روى ذلك بإسناد آخر أضعف من هذا. وأيضاً في فضائل الأوقات (١١)، والديلمي في الفردوس (٤٣٨١).

قال ابن حجر : هذا الحديث منكر إلى الغاية وهياج هوابن بسطام التيمي الهروى وروى عن جماعة من التابعين وضعفه ابن معين وقال داود : تركوه وقال الحافظ : الملقب بجزرة منكرالحديث لا

يكتب من حديثه إلا للاعتبار ولم أكن أعلمه بهذا حتى قدمت هراة فرأيت عندهم أحاديث مناكير كثيرة وقال الحاكم أبوعبد اللّٰه هذه الأحاديث التي رواها صالح من حديث الهياج الذنب فيه لابنه خالد والحمل فيها عليه وقال يحيى بن أحمد بن زياد الهروى كل ما أنكره على الهياج فهو من جمع ابنه انتهى كلامه. (تبيين العجب ،ص٢١).

(٥) وأخرج ابن الجوزيؒ فى العلل المتناهية (١/٢٢٦/٣٥٦) عن أبي هريرة ﷺ قال: من صام يوم ثمانى عشرة من ذى الحجة كتب اللّٰه له صيام ستين شهراً ...فأنزل اللّٰه عزو جل اليوم أكملت لكم دينكم و من صام يوم سبعة وعشرين من رجب كتبت له صيام ستين شهراً ...، قال أبوبكر بن ثابت اشتهر هذا الحديث برواية حبشون وكان يقال إنه انفرد به وقد تابعه عليه أحمد بن عبد اللّٰه بن العباس بن سالم المعروف بابن النبرى قال: أنا علي بن سعيد الشامي قال أنا ضمرة فذكره مثل ما تقدم أونحوه . وقال المؤلف: وهذا حديث لا يجوز الاحتجاج به ومن فوقه إلى أبى هريرة ﷺ ضعفاء ، ونزول الآية كان يوم عرفة بلا شك وذكر ذلك فى الصحيحين .

وأيضاً أخرجه ابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق (٤٢/٢٣٣)، ويحيى بن حسين الشجرى في أماليه (١/٣١)، والخطيب البغدادى فى تاريخ بغداد (٨/٢٨٩/٤٣٩٢).

وللمزيد راجع : (فضائل رجب للخلال ، وفضائل رجب لعبد العزيز

الكتاني ، وتبيين العجب لابن حجر العسقلاني ، والأدب في رجب للملا علی القاری ، وفضائل الأوقات للإمام البيهقي، و فضائل رجب وشعبان ورمضان للقزويني).

(۲) ممانعت والی روایات ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام ابن ماجه في سننه (١٧٤٣) بسنده عن ...أنه عليه الصلاة والسلام نهى عن صيام رجب .

إسناده ضعيف جداً ، فيه داود بن عطاء ؛ قال البخاری وغيره : متروك .

قال الشيخ فؤاد عبد الباقي: في إسناده: داود بن عطاء، وهوضعيف متفق على ضعفه. (التعليقات على ابن ماجه:١/٥٥٤/١٧٤٣).

وأيضاً أخرجه الطبراني في الكبير (١٠/٣٤٨/١٠٦٨١) وابن الجوزي في الواهيات (٩١٣) والبيهقي في الفضائل .

ملاعلی قاریؒ نے اس حدیث کا یہ جواب دیا کہ یہ ممانعت خاص ہے اس صورت کے ساتھ جبکہ رجب کا روزہ واجب سمجھ کر رکھا جائے ،جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا۔(کمافی الادب فی رجب)۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ کراہت اندیشہ ضعف کی علت کی بنا پر ہے یعنی جو شخص رجب کے روزوں کی وجہ سے کمزور ہو جائے اور رمضان کے فرض روزوں پر قادر نہ ہوتو ایسے شخص کے لیے رجب وشعبان دونوں کے روزے رکھنا مکروہ ہے۔(کمافی روایۃ امالی الشجریہ)۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار منقول ہیں:

عن خرشة بن الحرقال: رأيت عمر رضي الله عنه يضرب أكف الناس في رجب ، حتى يضعوها في الجفان ، ويقول: كلوا ، فإنما هو شهر كان يعظمه أهل الجاهلية .

وعن سفيان ، عن زيد بن أسلم قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صوم رجب؟ قال: اين أنتم من شعبان ! هذا حديث مرسل رجاله ثقات ، لكن كان يحيى القطان يفضل مراسيل معاوية بن قرة على مراسيل زيد بن أسلم .

وعن أنس رضي الله عنه قال: لا تكن اثنينياً ولا خميسياً ، ولا رجبياً . وعن عاصم بن محمد ، عن أبيه قال: كان ابن عمر رضي الله عنه إذا رأى الناس وما يعدون لرجب ، كره ذلك. (المصنف لابن ابى شيبة: ٦/٣٣٤، ط: المجلس العلمى).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

چونکہ احتمال تھا کہ بعض لوگ جو رجب کی تعظیم کرتے تھے اور اب مشرف باسلام ہوگئے تھے شاید وہ لوگ یا ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ اس طرح کی تعظیم کے قصد سے اس میں روزہ نہ رکھنے لگیں، اس لیے شارع علیہ السلام نے اس کی ممانعت فرمادی، جس طرح بعض احادیث میں صوم یوم السبت سے نہی آئی ہے، حالانکہ اطلاق سے دلائل ونیز اجماع سے اس کا جواز ثابت ہے، وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ یہود کے دیکھا دیکھی تخصیص صوم کو ذریعہ تعظیم نہ بنائیں، اسی طرح صیام رجب کی نہی کو سمجھنا چاہیے۔ پس اس حیثیت سے تو یہ منہی عنہ ٹھہرا۔ دوسری حیثیت رجب میں صرف شہر حرام ہونے کی ہے، جو اس میں بقیہ اشہر حرم میں مشترک ہے، پہلی حیثیت سے قطع نظر کرکے صرف اس دوسری حیثیت سے اس میں روزہ رکھنے کو مندوب فرمایا گیا پس دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/۱۱۶)۔

حضرت تھانویؒ ۲۷ رجب کے روزے کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس ماہ کی ۲۷ تاریخ میں یہ اعمال مروج ہیں، (۱) روزہ جس کی روایات پر شیخ دہلویؒ نے ماثبت بالسنہ میں سخت جرح کی ہے۔ صرف ایک روایت کو جو کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً وارد ہے۔ جس میں اس روزہ کو برابر ساٹھ ماہ کے روزوں کے کہا گیا ہے۔ شیخ نے سب سے امثل اور غنیمت کہا ہے لیکن پھر بھی ختم روایت پر فرمایا: **فهذه أحاديث ذكرت فيما حضر عندنا من الكتب ولم يصح منها على ما قالوا شيء وغايته الضعف وجلها موضوع** ۔ مگر شیخ ہی نے ایک حدیث بروایتِ ابن ابی شیبہ وطبرانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صومِ رجب پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے اور جبراً کھانے میں ڈلواتے تھے۔ کہ یہ ماہ جاہلیت میں معظم تھا اسلام میں متروک ہوگیا خیر اگر کوئی روزہ ہی رکھے تو ایک تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہ سمجھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سمجھے۔

دوسرے اس کو ہزاری یعنی ہزار روزہ کے برابر ثواب میں نہ سمجھے کہ اس میں منقول کی تغییر ہے۔ تیسرے اس کو حدیثِ صحیح کے برابر نہ سمجھے، غایت سے غایت ضعیف سمجھ لے... باقی نفس صومِ رجب بے اصل نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/ ۱۱۷۔ ۱۱۸)،

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے: ستائیسویں رجب کے روزہ کو جو عوام ہزار روزہ کہتے ہیں اور ہزار روزوں کے برابر اس کا ثواب سمجھتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں ۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۴۹۲)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: ستائیسویں رجب کے بارے میں جو روایات آئی ہیں وہ موضوع اور ضعیف ہیں، صحیح اور قابل اعتماد نہیں لہذا ستائیسویں رجب کا روزہ

عاشوراء کی طرح مسنون سمجھ کر کہ ہزار روزوں کا ثواب ملے گا اس اعتقاد سے رکھنا ممنوع ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ستائیسویں رجب کا روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/۸۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۵)

رجب کی مشہور دعا:

" اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ " کی تحقیق:

یہ حدیث ایک راوی "زائدہ بن ابی الرقاد" کی وجہ سے ضعیف ہے۔

أخرج الطبرانی فی "الأوسط" (۴/۵۵۸/۳۹۵۱، ط: الریاض)، قال: حدثنا علی بن سعید الرازی قال: نا عبد السلام بن عمر الجنی قال: نا زائدة بن أبی الرقاد قال: نا زیاد النمیری عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا دخل رجب، قال: " اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ" لا یروی هذا الحدیث عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم إلا بهذا الإسناد تفرد به زائدة بن أبی الرقاد.

وأیضاً أخرجه الإمام أحمد في مسنده (۲۳۴۶)، والبزار في مسنده (۶۴۹۴)، وابن عساکر في معجمه (۳۰۹) والبیهقي في شعب الإیمان (۳۵۲۴)، وفي فضائل الأوقات (ص۱۰۵)، وابن السني في عمل

اليوم والليلة (٦٦٠)، وابن ابى الدنيا في فضائل رمضان (ص ٢)، ومحمد بن الحسن بن على الخلال في فضائل شهر رجب (ص٣)، وأبونعيم فى حلية الأولياء (٦/٢٦٩).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف؛ زائدة بن أبي الرقاد، قال البخارى: منكر الحديث، وقال أبوداود: لا أعرف خبره، وقال أبوحاتم: يحدث عن زياد النميرى، عن أنس ﷺ أحاديث مرفوعة منكرة ولا ندرى منه أو من زياد، وزياد النميرى، وهو أبي عبد الله، ضعفه ابن معين، وأبوداود، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه ولايحتج به، وذكره ابن حبان فى الثقات وقال: يخطئ، ثم ذكره فى المجروحين، وقال: منكر الحديث، يروى عن أنس ﷺ أشياء لا تشبه حديث الثقات لايجوز الاحتجاج به، وهذا الحديث من مسند أنس ﷺ وليس من مسند ابن عباس ﷺ. (تعليقات الشيخ شعيب على مسنداحمد: ٤/ ١٨٠/ ٢٣٤٦، ط: الرسالة).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت زائدہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور ضعیف حدیث پر عمل کرنا درست ہے۔ بنابریں اس دعا کو پڑھنا اور دوسروں کو اس کے پڑھنے کی ترغیب دینا بھی درست ہے۔ مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

" اللّٰهم بَارِكْ لَنَا في رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَارِكْ لَنَا فِي رَمَضَانَ ".

(مسند أحمد رقم: ٢٣٤٦).

(٦)

نومولود کے داہنے کان میں اذان وبائیں کان میں اقامت کا حکم

نومولود کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا احادیث اور کتبِ فقہ کی روشنی میں مستحب ہے، یعنی سنتِ غیر مؤکدہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل نہ ہونے کی وجہ سے سنتِ مؤکدہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبيد الله بن أبي رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن عليؓ حين ولدته فاطمةؓ بالصلاة.

(رواه الترمذی، رقم: ١٥١٤)، وقال: هذا حديث حسن صحيح .

وأخرجه أحمد في "مسنده" (٢٣٨٦٠/٢٩٧/٣٩)، قال الشيخ شعيب: "إسناده ضعيف لضعف عاصم بن عبيد الله: وهو ابن عاصم بن عمربن الخطاب ، وبقية رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين .

...وأخرجه أبو داود (٥١٠٥) من طريق يحيى وحده ، به.

وأخرجه عبدالرزاق (٧٩٨٦)، والطبراني في "الكبير" (٩٣١)، والحاكم (٤٨٢٧/١٧٩/٣) والبيهقي في "السنن" (٣٠٥/٩)، وفي "شعب

الإيمان" (٨٦١٨) **من طرق عن سفيان الثوري ، به. قال الحاكم : هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، فتعقبه الذهبي بقوله : عاصم ضُعِّفَ .**

اقامت کے بارے میں حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم : أذن في أذن الحسن بن علي يوم ولد فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى .

(رواه البيهقي في شعب الايمان، رقم:٨٢٥٥، وقال: في إسناده ضعف).

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف فيه الحسن بن عمرو بن سيف السدوسي وهو متروك، واتهمه على ابن المديني والبخاري بالكذب. (تعليقات الشيخ شعيب على مسند احمد٣٩/٢٩٧).

وللمزيد راجع : "تهذيب الكمال" : ٢٨٨/٦، ٢٨٩، مع التعليقات .

عن الحسين بن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى رفعت عنه أم الصبيان . (رواه البيهقي في شعب الايمان، رقم:٨٢٥٤، وقال : في اسناده ضعف).

قال الشيخ شعب في تعليقاته على مسند أحمد (٣٩/٢٩٨)**: و آخر أشد هلاكاً من الأول ، عند أبي يعلى** (٦٧٨٠)**، وعنه ابن السني في" عمل اليوم والليلة "**(٦٢٣) **من حديث الحسين بن علي... وفي إسناده يحيى بن العلاء و مروان بن سالم ، وهما متهمان بالوضع .**

وشيخ أبي يعلى فيه جبارة بن مغلس ، وهو ضعيف .

خلاصہ یہ ہے کہ نومولود کے کان میں اذان دینے کے بارے میں ابورافع کی روایت ضعیف ہے، لیکن دیگر شواہد کی وجہ سے حسن ہوگی۔

قال بشیر محمد عیون فی تعلیقاته علی "تحفة المودود" لابن القيم (ص۲۲): وهو ضعيف لكن له شواهد يقوى بها .

البتہ اقامت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ضعیف ہے، اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت تو انتہائی ضعیف ہے۔ ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت فضائل اعمال میں قابل استدلال ہے۔

قال الشيخ شعيب فی تعليقاته على مسند أحمد (۲۹۸/۳۹): قلنا: و مع ضعف الحديث الوارد في هذه المسألة ، فقد عمل به جمهور الأمة قديماً وحديثاً ، ... وقد أورده أهل العلم في كتبهم وبوبوا عليه و استحبوه .

قال الحافظ ابن القيم في "تحفة المودود بأحكام المولود، (ص۲۲، ط:الرياض): الباب الرابع في استحباب التأذين في أذنه اليمنى والإقامة في أذنه اليسرى .

وفي شرح السنة : روى أن عمر بن عبدالعزيزؒ كان يؤذن فی اليمنى ويقيم فی اليسرى إذا ولد الصبی. (شرح السنة للامام البغویؒ: ۲۷۳/۱۱،باب الاذان فی اذن المولود،ط:المكتب الاسلامی) .

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله لایسن لغیرها، أی من الصلوات و إلا فیندب للمولود و في حاشیة البحر للخیر الرملی : رأیت فی کتب الشافعیة أنه قد یسن الأذان لغیر الصلاة کما فی أذان المولود . (رد المحتار:۱/۳۸۵،سعید).

تقریرات الرافعی میں ہے:

قال السندی فیرفع المولود عند الولادة علی یدیه مستقبل القبلة ویؤذن فی أذنه ویقیم فی الیسری . (التحریرالمختار:۱/۴۵،سعید).

عمدۃ الفقہ میں ہے:

کچھ مواقع ایسے ہیں جن میں اذان واقامت یاصرف اذان مستحب ہے (۱) جب بچہ پیدا ہوتو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا۔(عمدۃ الفقہ :۲/۴۰)۔

بہشتی زیور میں ہے:

بچہ پیدا ہونے کے وقت یہ باتیں سنت ہیں کہ اس کونہلا دھلا کر داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہدی جائے...(بہشتی زیور،ص۴۶۰)۔

قال السید السابق فی " فقه السنة"(۳/۳۲۹): ومن السنة أن یؤذن فی أذن المولود الیمنی ، ویقیم فی الأذن الیسری لیکون أول ما یطرق سمعه اسم اللّٰه .

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

السنة أن یؤذن في أذن المولود عند ولادته ذکراً کان أو أنثی ... لحدیث أبي رافع ... قال جماعة من أصحابنا یستحب أن یؤذن فی

أذنه اليمنى ويقيم الصلاة في أذنه اليسرى ... ونقل أصحابنا مثل هذا الحديث عن فعل عمر بن عبد العزيزؒ. (شرح المهذب:۸/۴۴۳).

کشاف القناع میں ہے:

وسن أن يؤذن في أذن المولود اليمنى ذكراً كان أو أنثى حين يولد وأن يقيم في اليسرى لحديث أبي رافع ... (کشاف القناع،لمنصور بن یونس البهوتی الحنبلی،۳/۲۹،ط:بیروت).

شیخ ابوبکر الجزائری ''سلفیوں کے مقتدیٰ اور پیشوا'' کا ضعیف حدیث سے استحباب کو ثابت کرنا:

منہاج المسلم میں لکھتے ہیں:

الأذان والإقامة في أذني المولود : استحب أهل العلم إذا وضع المولود أن يؤذن في أذنه اليمنى ، ويقام في أذنه اليسرى ، رجاء أن يحفظه الله من أم الصبيان وهي تابعة الجان . لما روى : ''من ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنى، وأقام في أذنه اليسرى، لم تضره أم الصبيان'' . (منهاج المسلم،ص:۳۲۱).

علامہ ابن تیمیہؒ کا استدلال:

علامہ ابن تیمیہؒ نے '' الکلم الطیب'' میں '' فصل فی الولادة '' کے تحت اس روایت کو ذکر فرمایا ہے اور کوئی کلام نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو: ويذكر عن الحسين بن علي رضی اللہ عنہ ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:'' من

ولـد لـه مـولود فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى، لم تضره أم الـصبيان". (الـكـلـم الـطـيـب،ص٨٨ رقـم: ٢١١، فـصـل فی الولادة،ط:دارالفكر، بيـروت). محشی دکتورسید جمیلی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: راجـع عـمـل اليوم والليلة لابن السنی (٦٣٨) وإسناده ضعيف جداً .

لیکن شیخ البانی نے اس حدیث کوموضوع کہا ہے۔

قـال الشيخ الألباني فی الضعيفة (رقم: ٣٢١): قلت: وهذا سند مـوضـوع، يـحيـی بن العلاء ومروان بن سالم يضعان الحديث . وأطال الكلام فراجعه .

محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے شیخ البانی پر رد کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

أقـول: إن الـحـكـم بـالـوضـع على هذا الحديث من تفردات الألبـانـی الشـاذة و تحكماته من غير دليل ، فإن مجرد كون الرجل مـوصـوفـاً بوضع الحديث لا يوجب كون جميع أحاديثه موضوعة على الإطـلاق ، لأنـه إن كـان يـوجـب ذاک هذا لم يجز لمن أخرج حديث الـمـوصـوفـيـن بالوضع أن يخرج لهم شيئاً إلا ببيان وضعه ، والواقع أن عبـد الـرزاق ، وأبـا داود ، وابـن الـسـنـی، والبيهـقی ، والنووی ، وابن تيـمية، وابن القيم ، والهيثمی ، والمباركفوری ذكروا حديث يحيی بن الـعـلاء ، ولـم يـصـرحـوا أن حـديثه موضوع ، فإما أن يعتذر عنهم أنهم كـانوا جاهلين بكون يحيىٰ وضاعاً فهذا يزيل الثقة بعلمهم ، لا يقول به إلا جـاهـل يـحـط قـدر الـعـلماء ، وإما أن يطعن فيهم فيرموا بقلة الدين

لسكوتهم عن بيان وضع الحديث ، وهذا لا يرضى به .

وأما قول الألباني:"خفى عليهم وضعه" فأقول: كيف خفى عليهم وقد رواه ابن السنى من طريق جبارة عن يحيى ، وأورده النووى برواية ابن السنى ، وتبعه ابن تيمية ثم تبعه ابن القيم ، أليس جبارة ويحيى بمرأى منهم ؟ أما كانوا يعرفون أنهما كذابان أو وضاعان ، أما كانوا يعرفون أن وجود واحد من الوضاعين فى السند يكفى للحكم بوضع الحديث ، فكيف وهنا اثنان .

وقوله : وأما الإقامة فهي غريبة . قلت: إذا كان شاهداً للتأذين فما الذى يمنع من كونه شاهداً للإقامة المذكورة فى حديث الحسين بن على، فتكون مأذوناً فيها شرعاً دون أن نعتقده مانعاً ضَرَرَ أم الصبيان. (رد الشيخ حبيب الرحمن الاعظمى على الشيخ ناصر الدين الالبانى ، المعروف بـ الألباني؛ شذوذه واخطاؤه،ص ١٠٢ـ١٠٣). والله سبحانه وتعالى أعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحابی جلیل حضرت ثعلبہ بن حاطب البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک سوال اور جواب:

(جن حضرات نے اس قصہ میں ثعلبہ بن حاطبؓ کی جگہ ثعلبہ بن ابی حاطب کو ذکر کیا ہے ان کی بات صحیح نہیں)

سوال: ماشاء اللہ آپ نے ''الجزء اللطیف'' میں بعض صحابہ کرام پر عائد ہونے والے بعض اعتراضات اور غلط فہمیوں کے دور کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، مگر ایک بدری صحابی حضرت ثعلبہ بن حاطبؓ کے بارے میں ص۱۶۰ پر یہ مرقوم ہے کہ بعض حضرات نے دو الگ الگ شخصیتیں بیان کی ہے لیکن اس کا مدار ابن الکلبی اور عطیہ پر ہے جو مطعون ہیں، اگر اس کے بارے میں کچھ وضاحت ہوجائے کہ یہ تفریق کن حضرات نے کی ہے اور اسناد میں کون راوی ہے اور ان پر کیا کلام ہے تو عین کرم ہوگا۔

أفیدونا مأجورین ۔

الجواب: حافظ ابن حجرؒ نے '' الإصابة في تمييز الصحابة '' میں حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات قلمبند فرمائے ہیں، اور ساتھ ساتھ ان پر ہونے والے اعتراض کے دفاع کی کوشش کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اس نام کی دو شخصیتیں ہیں؛ (۱) ثعلبہ بن حاطبؓ، یہ بدری صحابی ہے جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ (۲) ثعلبہ بن ابی حاطب، یہ آیتِ کریمہ :﴿ومنهم من عاهد الله﴾ کے

مصداق ہیں، اوراس کی دلیل میں ابن الکلبی اورعطیہ عوفی کی سند سے روایت نقل کی ہے۔جبکہ دونوں پرسخت کلام ہے۔

اسی طرح شیخ شمس الدین السفارینی الحنبلی نے لوامع الانوارالبہیۃ میں جلد۲ص ۳۶۶ پرحافظ صاحب سے نقل کیا ہے۔

حافظ صاحب کی عبارت ملاحظہ ہو: وقد تأکدت المغایرة بینهما بقول ابن الکلبی: إن البدری استشهد بأحد ، ویقوی ذلک أیضاً أن ابن مردویه روی في تفسیره من طریق عطیة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی الآیة المذکورة ، قال : و ذلک أن رجلاً یقال له ثعلبة بن أبي حاطب من الأنصار أتی مجلساً فأشهدهم فقال:﴿لئن آتانا من فضله﴾الآیة ، فذکر القصة بطولها ، فقال : إنه ثعلبة بن أبي حاطب. والبدري اتفقوا علی أنه ثعلبة بن حاطب ؛ وقد ثبت أنه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لا یدخل النار أحد شهد بدراً و الحدیبیة . وحکی عن ربه أنه قال لأهل بدر: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم ، فمن یکون بهذه المثابة کیف یعقبه اللّٰه نفاقاً في قلبه ، وینزل فیه ما نزل ؟ فالظاهر أنه غیره ، واللّٰه أعلم . (الإصابة فی تمییز الصحابة: ۱/۶۱۵،رقم الترجمة: ۹۳۱،ط: بیروت).

یہ تفریق حافظ ابن حجرؒ نے بیان فرمائی ہے اسی کو علامہ سیوطیؒ نے الحاوی میں جلد۲،ص ۱۱۶پرنقل کیا ہے۔نیز علامہ آلوسی بغدادی صاحبِ روح المعانی نے اپنی تفسیر میں جلد۱۰،ص۱۴۳پر بیان کیا ہے۔

لیکن یہ تفریق جمہور علماء کے نزدیک درجِ ذیل چندوجوہات کی بناپرصحیح اور درست معلوم

نہیں ہوتی؛ (۱) حافظ ابن حجرؒ نے ابن الکلبی کے حوالہ سے بیان کیا اور ابن الکلبی پر سخت کلام ہے؛

قال الذهبي: ابن الكلبى، العلامة الاوحد أبوالمنذر هشام بن الاخبارى الباهر، محمد بن السائب بن بشير الكلبى الكوفى الشيعي أحد المتروكين، كأبيه. روى عن أبيه كثيراً، وعن مجالد، وأبى محنف لوط، وطائفة ،قال الدارقطني وغيره: متروك الحديث. (سير أعلام النبلاء: ۱۰۱/۱۰).

وقال فى الميزان: وقال ابن عساكر: رافضي، ليس بثقة. (ميزان الاعتدال،رقم: ۹۲۳۷).

وقال ابن الجوزى: هشام بن محمد بن السائب الكلبى يروى عن أبيه عن ابن أبي مخنف قال أحمد ما ظننت أن أحداً يحدث عنه إنما هو صاحب سير وقال الدارقطني: متروك. (الضعفاء والمتروكين، رقم: ۳۶۰۲).

(۲) حافظ ابن حجرؒ نے ابن مردویہ کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے اس میں ایک راوی عطیہ بن سعد العوفی پر کلام ہے:

قال الحافظ فى التقريب: عطية بن سعد بن جنادة العوفى الجدلى الكوفى أبوالحسن ،صدوق، يخطئ كثيراً وكان شيعياً مدلساً ... (رقم: ۴۶۱۶).

قال الشيخ بشارعواد فى التحرير على التقريب: بل ضعيف،

ضعفه هشيم ،ويحيى بن سعيد القطان، وأحمد بن حنبل وسفيان الثورى ، وأبوزرعة الرازى ، وابن معين في عدة روايات ، وقال في أخرى: ليس به بأس، وضعفه أبوحاتم، والنسائي، والجوزجاني، وابن عدي، وأبوداود ، وابن حبان ، والدارقطني، والساجي، فهو مجمع على تضعيفه ، ما وثقه سوى ابن سعد ! فلا ندري من أين جاء بعبارته " صدوق يخطئ كثيراً...الخ " . (تحرير تقريب التهذيب:٣/٢٠/٦١٦٢).

وللمزيد راجع : (تهذيب الكمال: ٢٠/١٤٧، وسير أعلام النبلاء: ٥ /٣٢٥).

(٣) الشہاب الثاقب میں شیخ ابواسامہ الہلالی نے اس تفریق کورد کیا ہے؛ عبارت ملاحظہ کیجیے:

لا يجوز الجزم بماقاله ابن الكلبى، وإذا صح ،فإنما ينتقض القصة ويبين فسادها، ولايدل على وجود شخصية أخرى، والصواب في هذا المقام: ما ذكره ابن الاثير تعليقاً على كلمة ابن الكلبى: فإذا كان هذا الذى في هذه الترجمة ؛ فإما يكون ابن الكلبى قد وهم في مثله أوتكون القصة غير صحيحة ، أو يكون غيره ، وهو هو لا شك فيه، فقد نفى أن يكون غيره ؛ فإما يكون ابن الكلبى قد وهم وقد عرفت شأنه ، أو تكون القصة غير صحيحة من أصلها ؛ وهو الصواب.

أما الرواية من طريق عطية عن ابن عباس رضي الله عنه التي عضد بها الحافظ توجيهه ؛ فهي رواية ساقطة لا يفرح بها، وقد سبق بيان حالها في الرواية الثانية فلا يجوز الاحتجاج بها، ولقد ذهب الحافظ في

الفتح (٣/٢٦٦) إلى رد الاحتجاج بقصة ثعلبة، فكيف يحتج بها هنا؟...

والعجيب أن الحافظؒ يحاول التوفيق بين القصة وكون ثعلبة بن حاطب من أهل بدر، فيخترع شخصية أخرى لينسب القصة له، وهو الذى صرح بأن هذه القصة غير صحيحة من أصلها في ثلاثة من كتبه، وحسبنا تصريح العلماء أن صاحب القصة هوثعلبة بن حاطب البدري لا غير. (الشهاب الثاقب فى الذب عن الصحابى الجليل ثعلبة بن حاطب رضى الله عنه،للشيخ ابو اسامة سليم بن عيد الهلالى ،ص ٣٨ـ ٣٩).

(٤) وقال في أرشيف ملتقى أهل الحديث: الادعاء بأن ثعلبة بن حاطب البدریؓ استشهد يوم أحد مردود لأمرين :

ـ المصنفون في طبقات الصحابة الكرام لم يقل واحد منهم إن ثعلبة بن حاطب استشهد يوم أحد .

ـ الذين استشهد يوم أحد معروفون معدودون مضبوطة أسماؤهم لم يذكر من بينهم ثعلبة بن حاطب، انظر سيرة ابن هشام (٢/١٢٢ـ١٢٧)، ورواية الكلبي لا يعول عليها لما علمت حالها فلا داعي لقول الكلبي على أنه من جملة الاحتمالات للتوفيق بين الروايات كما مال إلى ذلک ابن الاثير في أسد الغابة (١/٢٨٥)....والصحيح وفاته في خلافة عثمان رضى الله عنه .

وللمزيد راجع : (ارشيف ملتقى اهل الحديث : ٣٢/٤١٣).

(۵) شیخ عداب محمود نے اس تفریق کورد کیا ہے اور علامہ آلوسیؒ کی عبارت پر

چند اشکالات کیے ہیں؛ ملاحظہ ہو:

وكلام الآلوسي ؒ فيه نظر من جهات عديدة : ١ــ الأولى : أنه سماه ثعلبة بن حاطب أوابن أبي حاطب ونص على أنه من بني أمية بن زيد ونفى أن يكون هو البدرى ؟ وكلام الشيخ لايحتمل سوى معنيين اثنين : الأول: أن ثمة رجلين من بنى أمية بن زيد بهذا الاسم أحدهما بدرى ، والآخر ليس ببدرى . وهذه دعوى لم يأت الشيخ ؒ عليها بأى دليل، ولا يستطيع أحد البتة إقامة دليل على ذلک وقد تقدمت مناقشة الحافظ في هذا .

وأن يكون ثعلبة بن حاطب البدرى ؓ من بنى أمية بن زيد، وهناک ثعلبة بن حاطب، أوابن أبي حاطب ليس بدرياً ، وليس من بنى أمية بن زيد وهذا ما فهمه بعض من قرأ الكتاب !

ولو سلمنا بهذا الفهم ، فمن أين لنا ذلک ؟ وما السبيل إلى إقامة الحجة على وجود الرجل الثاني، غير البدرى .

إن كتب الصحابة لا تذكر سوى البدري، ومن ذكر سواه فإنما ذكره بصيغة قيل ثم رجح أنه هو ؟ إن الاحتمالات لاتقوم بها أحكام ، ولايؤمن عاقل بأن مجرد الادعاء يثبت الدعوى....

٢ــ والجهة الثانية : أن الجزم بوفاة ثعلبة البدري في أحد، لايقوم عليه أدنى دليل إلا عند من يعتبرمجرد ذكر الشيء دليلاً ؟ بل إن كثيراً من المتقدمين ذكروا أنه عاش إلى خلافة عثمان ، وله عقب .

٣ــ والجهة الثالثة : أن جزمه بصحة القصة يثير العجب ، فقد سبقه عدد من الحفاظ الذين حكموا عليها بالوهن أو الضعف، ولم ينقل عن حافظ واحد أنه صححها ثم إن أسانيدها بين أيدينا، فكيف تم له هذا التصحيح ؟

لا ريب أن الآلوسيؒ ، يعلم ما ورد في حق أهل بدر من الثناء ، و الوعد بالمغفرة ، فأراد أن يبرّئ ثعلبة بن حاطب، ويلصق القصة المشهورة بغيره، فوجد أمامه ما نقله الحافظ ابن حجرمن التفريق بين ثعلبة بن حاطب، وابن أبي حاطب واستبعاد الكثيرين من أن تكون هذه القصة جارية مع البدرى ، فجعلها في ثعلبة غير البدرى وصححها ؟

بيد أن فعله هذا ، لا يثبت وجود الشيء المدعى عليه فضلاً عن إثبات قصة تلحقه . والله أعلم. (ثعلبة بن حاطب الصحابى المفترى عليه ، للشيخ الدكتورعداب محمودالحمش ،ص ۵۴،ط:دارالفتح ،عمان ،الاردن).

خلاصہ یہ ہے کہ ثعلبہ نامی علیحدہ دو شخصیتیں موجود نہیں ہیں ،اورآیتِ کریمہ کے نزول کے بارے میں حضرت ثعلبہ بن حاطب کا قصہ جومشہور ہے وہ بھی محققین کے نزدیک صحیح اوردرست نہیں، نہ اورکوئی مخلص صحابی مراد ہے بلکہ منافقین کا ایک گروہ مراد ہے۔

ملاحظہ ہوتفسیر قرۃ العینین علی تفسیر الجلالین میں مرقوم ہے:

إن هذه القصة التي أشار إليها السيوطي، والتي قيل: إن هذه الآيات نزلت فيها، هي قصة متداولة على الألسن، نقلها بعض المفسرين كما رويت، ولم ينكروا نسبتها إلى ثعلبة ، مثل ابن كثيرؒ في

تفسيره ، والسيوطي هنا، وفي الدر المنثور، وغيرهما، ونقلها آخرون وتعقبوها بالنقد ، واستبعدوا نزولها في حق صحابي شهد معركة بدر، فقال الهيثمي في مجمع الزوائد : رواه الطبراني، وفيه علي بن يزيد الالهاني، وهومتروك ، وقال الحافظ ابن حجر في تخريج أحاديث الكشاف: أخرجه الطبراني، والبيهقي في الدلائل، والشعب، وابن أبي حاتم ، والطبري، وابن مردويه، كلهم من طريق علي بن يزيد ، عن القاسم بن عبد الرحمن، عن أبي أمامة ، وهذا إسناد ضعيف،جداً ، وقال ابن حجرمثل ذلك في كتابه الإصابة .

وقال القرطبي في تفسيره ، بعد أن أورد القصة : قلت: وثعلبة ، بدري ، أنصاري ، ممن شهد الله له ورسوله بالإيمان، فما روي عنه غير صحيح... فالصواب: أنها لم تنزل في ثعلبة بن حاطب، ولا في غيره من المسلمين، والقصة المشار إليها مردودة لا يصح قبولها، فإن كانت هذه الآيات قد نزلت في أناس بعينهم، فهم منافقون أصلاً ، والدليل على ذلك: سياق الآيات التي جاء ت تبين أفعال المنافقين: [اقرأ الآيات ٧٣.١٠٠]، وأيضاً : نص هذه الآية ، فقوله: ﴿ومنهم﴾ يعني: ومن المنافقين ، أي عند ما عاهدوا الله ، كان كل واحد منهم منافقاً ، ولم يكن مؤمناً ثم نافق بنقضه العهد ، وقوله ﴿فاعقبهم﴾ أي: الذين نقضوا العهد ، وهذا يعني أنهم جماعة ، ولو كان واحداً لقال: فأعقبه ، ومن غرائب ما في هذه القصة: رفض النبي صلى الله عليه

وسلم قبول زكاته ، وكذلك الخلفاء الثلاثة من بعده، وهل يرد الرسول صلى الله عليه وسلم تائباً جاءه معتذراً ؟ وبذلك يتبين لنا رجحان قول الضحاك بن مزاحم رحمه الله تعالىٰ إنها نزلت في رجال من المنافقين كما تقدم، وإنه لا علاقة لثعلبة بن حاطب رضي الله تعالىٰ عنه بهذه القصة و لا لأحد من المسلمين الصادقين . (قرة العينين على تفسير الجلالين للقاضي الشيخ محمد أحمد كنعان ،ص ٢٥٤ـ٢٥٦).

والله سبحانه وتعالىٰ أعلم بالصواب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مراجع ومصادر

کتاب	مصنف	مطبع
القرآن الكريم	تنزيل من رب العالمين	
علوم الحديث	لمولانا عبيد الله الاسعدى	مجلس نشريات الاسلام
تيسير مصطلح الحديث	للدكتور محمود طحان	ديوبند يوپى
مقدمه ابن الصلاح	لابى عمرو عثمان بن عبد الرحمن ابن صلاح	ملتان
ظفر الامانى	للعلامة عبد الحى اللكنوى	دار الكتب العلمية
قواعد فى علوم الحديث	للشيخ ظفر أحمد التهانوى	دار السلام
تتمة أضواء البيان	للشيخ محمد عطية سالم تلميذ الشيخ محمد الأمين الشنقيطى	
اعلام الموقعين	للعلامة ابن القيم الجوزيه	دار الحديث قاهرة
التعليقات على قواعد فى علوم الحديث	للشيخ عبد الفتاح ابى غده	دار السلام

السنن الكبرى	لابى بكر احمد بن حسين بن علی البیهقی	دار المعرفه
تدريب الراوی	للعلامة جلال الدين السيوطی	آرام باغ كراچی
تحقيق المقال فی تخريج احاديث فضائل الاعمال	للشيخ لطيف الرحمن القاسمی	مكتبة الحرمين
الاذكار	للعلامة النووی	دار العربيه بيروت
فيض القدير	للشيخ عبد الرؤوف المناوی	دار الفكر
فتح المعين	للسيد محمد ابی السعود المصری الحنفی	سعيد كمپنی
الدر المختار	للعلامة علاء الدين الحصكفی	سعيد كمپنی
فتاویٰ دارالعلوم زكريا	للشيخ المفتی رضاء الحق	زمزم پبلشرز
فتح الباری شرح صحيح البخاری	للحافظ ابن حجر العسقلانی	دار نشر الكتب الاسلاميه
دلائل النبوة	للامام البيهقی	دار الكتب العلمية
فتاوی ابن تيميه	للشيخ احمد بن تيميه	دار العربيه بيروت
الاجوبة الفاضلة	للعلامة عبد الحي اللكنوی	دار السلام
الفروع	للعلامة المقدسی	دار الكتب العلمية

شرح مختصر الخليل	للشيخ محمد عليش	دار الفكر
كشاف القناع	للشيخ منصور بن يونس بن ادريس البهوتى	دار الفكر
المجموع شرح المهذب	للشيخ ابى زكريا يحيى بن شرف الدين النووى	دار الفكر
مطالب اولى النهى فى شرح غاية المنتهى	للشيخ مصطفى السيوطى الرحيبانى	المكتب الاسلامى
حواشى الشيروانى	للعلامة عبد الحميد الشروانى	دار الفكر
المنهج القويم	للعلامة الهيثمى	
مغنى المحتاج	لشمس الدين محمد بن محمد الخطيب الشافعى	دار الكتب العلمية
الفواكه الدوانى	للشيخ احمد بن غنيم المالكى	دار الفكر
الآداب الشرعية	للشيخ ابى عبد الله محمد بن مفلح المقدسى	مؤسسة الرسالة
حدیث اورفہم حدیث	لمولانا عبداللہ معروفی	مکتبہ عثمانیہ دیوبند
ايقاظ همم	للشيخ صالح بن محمد العمرى	دار المعرفه
الموضوعات الكبير	للشيخ الملا على القارى	قديمى كتب خانه

قواعد التحديث	لمحمد جمال الدين القاسمی	دار الكتب العلمية
حاشية تدريب الراوی	لعبد الوهاب عبد اللطيف	كراچی
الفوائد المجموعة	للامام الشوكانی	المكتب الاسلامی
سنن الترمذی	للامام ابی عیسی محمد بن عيسى بن سورة	فيصل پبليكيشنز ديوبند
التفسير الكبير	للامام فخر الدين بن ضياء الدين عمر الرازی	دار الفكر
تفسير ابن كثير	للحافظ اسماعيل ابن كثير القرشي الدمشقي	دار السلام
تفسير ابی السعود	للشيخ ابی السعود محمد الحنفی	دار الكتب العلمية
تقريب التهذيب	للحافظ ابن حجر العسقلانی	الكتب الاسلامية
تهذيب الكمال	للحافظ جمال الدين يوسف المزی	مؤسسة الرسالة
تحرير التقريب	الدكتور بشار عواد والشيخ شعيب الارنؤوط	مؤسسة الرسالة
التذكرة فی احوال الموتی وامور الآخرة	لابی عبد الله محمد بن احمد بن ابی بكر الانصاری القرطبی	دار الريان للتراث

تفسير المنار	للسيد محمد رشيد رضا	دار الفكر
التفسير المنير	للدكتور وهبه الزحيلى	دار الفكر
تهذيب التهذيب	للحافظ ابن حجر العسقلانى	دار الكتب العلمية
تفسير القرطبى	لمحمد بن احمد الانصارى القرطبى	دار الكتب العلمية
حاشية شعب الايمان	للمحقق عبد العلى عبد الحميد حامد	الدار السلفية الهند
حاشية التفسير الماوردى	للمحقق عبد المقصود بن عبد الكريم	
حاشية زاد المسير	للعلامة ابن الجزرى	المكتبة الاسلامى
صفوة التفاسير	للشيخ محمد على الصابونى	بيروت
حاشية الشهاب	للشيخ عبد الرزاق المهدى	دار الكتب العلمية
حاشية معرفة الصحابة	لمحمد حسن و مسعر عبد الحميد	دار الكتب العلمية
الحاوى للفتاوى	للامام جلال الدين السيوطى	فاروقى كتب خانه
الدرالمنثور فى التفسير المأثور	للامام جلال الدين السيوطى	مركز للبحوث والدراسة العربية مكة

روح المعانی	للشيخ شهاب الدين السيد محمود الآلوسی	التراث القاهرة
رسالة ثعلب بن حاطب	للدكتور عداب محمود	
شعب الايمان	للامام البيهقی	الدار السلفيه الهند
شرح معانی الآثار	للامام ابی جعفر الطحاوی	سعيد كمپنی
شرح مسلم	للعلامة النووی	دار احياء التراث
صحيح ابن حبان	للشيخ محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم التميمی	مؤسسة الرسالة
الطبقات الكبری	للشيخ محمد بن سعد	دار صادر
العرف الشذی	للعلامة انور الشاه الكشميری	فيصل ديوبند
فتح المغيث	للحافظ عبد الرحمن السخاوی	دار الامام الطبری
كتاب الروح	للشيخ شمس الدين ابی عبدالله ابن قيم الجوزية	دار الفكر
كتاب المجروحين	للشيخ محمد بن حبان التميمی	دار الوحی
لسان الميزان	للحافظ ابن حجر العسقلانی	اداره تاليفات اشرفيه
مرقاة المفاتيح	للشيخ الملا علی القاری	مكتبه امداديه ملتان
مواهب الجليل	للشيخ ابی عبد الله المغربی	دار الكتب العلمية
ميزان الاعتدال	للعلامة الذهبی	دار الفكر العربی

الموضوعات	للشيخ عبد الرحمن بن على الجوزى	دار الفكر
مجمع الزوائد	للحافظ نور الدين على بن ابى بكر الهيثمى	دار الفكر
مسند الامام احمد بن حنبل	للامام احمد بن حنبل الشيبانى	دار الفكر
صحيح مسلم	للامام ابى الحسن مسلم بن حجاج القشيرى	مكتبه اشرفيه ديوبند
النكت على كتاب ابن الصلاح	للحافظ ابن حجر العسقلانى	
نثر الازهار	للشيخ محمد امين	جامعه يوسفيه پاكستان
اتحاف السادة المتقين	للسيد محمد بن محمد الحسينى الزبيدى	دار الفكر
سنن ابى داؤد	للحافظ سليمان بن الاشعث ابى داؤد السجستانى	كتب خانه مركز علم
صحيح البخارى	للامام ابى عبد الله محمد بن اسماعيل البخارى	فيصل پبليكيشنز ديوبند
البحر الرائق	للشيخ زين الدين ابن نجيم المصرى	المكتبة الماجدية كوئٹه

المعجم الاوسط	للامما ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	
تاریخ الطبری	للشیخ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری	
المعجم الکبیر	للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	
شرح مشکل الآثار	للامام ابی جعفر الطحاوی	
تاریخ ابن عساکر	للشیخ ابی القاسم علی بن الحسن بن عساکر	
العواصم من القواصم	للشیخ ابن العربی	سھیل اکیڈمی
الکاشف	للعلامة شمس الدین الذھبی	
کتاب الضعفاء	للعلامة ابن الجوزی	
الکامل	للشیخ ابن اثیر الجزری	
سیر اعلام النبلاء	للعلامة شمس الدین الذھبی	مؤسسة الرسالة
الاصابة فی تمییز الصحابة	للحافظ ابن حجر العسقلانی	
معجم الصحابة	للشیخ ابن قانع البغدادی	
معرفة الصحابة	للشیخ ابی نعیم الاصبھانی	
مصنف عبد الرزاق	للامام عبد الرزاق الصنعانی	

انساب الاشراف	للشيخ ابى الحسن احمد بن يحيى البلاذرى	
المقتنى فى سرد الكنى	للعلامة الذهبى	
تبصير المنتبه بتحرير المشتبه	للحافظ ابن حجر العسقلانى	بيروت لبنان
الكنى و الاسماء	للامام مسلم	
تهذيب الاسماء	للامام النووى	
فتح الباب فى الكنى و الالقاب	للشيخ ابن منده الاصبهانى	مكتبة الكوثر
البداية و النهاية	للحافظ ابن كثير الدمشقى	
حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	ادارة المعارف کراچی
بداية المجتهد	للعلامة ابن رشد القرطبى	
سیرتِ حضرت امیر معاویہ	لمولانا محمد نافع	دارالکتاب پاکستان، لاہور
ابو بكر شخصيته وعصره	للدكتور محمد على صلابى	
تاريخ الاسلام	للعلامة الذهبى	دار الكتاب العربى

الخلافة فی عهد الامويين	لابی جعفر محمد بن جرير الطبری	دار ابن كثير
سنن ابن ماجه	للامام ابی عبد الله القزوينی	قديمی كتب خانه
اللآلی المصنوعة	للعلامة جلال الدين السيوطی	دار الكتب العلمية
مجلّہ المآثر	بیادگار امیر الہند محدثِ جلیل مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی	
الفتاوی الهندية	لجنة من العلماء العظام	
مراقی الفلاح	للفقيه ابی الاخلاص الشرنبلالی	بيروت
تعليم الاسلام	مفتی کفایت اللہ صاحب	مكتبة البشری
فتاوی دارالعلوم دیوبند	مفتی عزیز الرحمٰن	
بہشتی زیور	مولانا اشرف علی تھانوی	دار الاشاعت
عمدة الفقه	حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب	
فتاوی محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہی	مکتبہ محمودیہ
ما ثبت بالسنة	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	
اسلامی فقہ	مولانا مجیب اللہ ندوی	اردو بازار، لاہور
زوال السنة	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	
مظاہر حق	للعلامة قطب الدين الدهلوی	دار الإشاعت
الشرح الصغير	للشيخ الدردير المالكی	
شبِ براءت کی حقیقت	مفتی تقی عثمانی صاحب	دارالعلوم کراچی

تاريخ بغداد	لابی بكر احمد بن علی الخطيب البغدادی	دار الكتب العلمية
الوافی بالوفيات	لصلاح الدين الصفدی	داراحياء التراث
تكملة الاكمال	لابی بكر محمد بن عبدالغنی البغدادی	جامعة ام القری مكة المكرمة
اخبار مكه	للعلامة الفاكهی	
الفوائد المجموعة	للعلامة الشوكانی	
البدر المنير	للشيخ ابن الملقن	
المغنی	للشيخ ابن قدامه الحنبلی	دار الكتب العلمية
فتح القدير	كمال الدين ابن همام المصری الحنفی	دار الفكر
المدخل الی مذهب الامام احمد بن حنبل	عبد القادر بن احمد بن بدران	دار الكتب العلمية
مصنف ابن ابی شيبه	للشيخ ابی بكر ابن ابی شيبه	المجلس العلمی
القول البديع فی الصلاة علی الحبيب الشفيع	للعلامة شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوی الشافعیؒ	مؤسسة الريان

القربة الى رب العالمين بالصلاة على محمد سيد المرسلين	للشيخ ابى القاسم خلف بن عبد الملک بن بشكوال	دار الكتب العلمية ، بيروت، لبنان
فيض القدير	للعلامة عبد الرؤوف المناوى	
سلسلة الضعيفة	للشيخ ناصر الدين الالبانى	
تذكرة الحفاظ	للعلامة الذهبى	
الترغيب فى فضائل الاعمال وثواب ذلک	للشيخ ابى حفص عمر بن احمد ابن شاهين البغدادى	
التيسير بشرح الجامع الصغير	للعلامة عبد الرؤوف المناوى	
الترغيب والترهيب	للشيخ ابى القاسم الاصبهانى	
العلل المتناهيه	للعلامة ابن الجوزى	
تبيين العجب بما ورد فى شهر رجب	للحافظ ابن حجر العسقلانى	
فضائل رجب	عبد العزيز الكتانى	
الادب فى رجب	للشيخ الملا على القارى	
الألبانى شذوذه وأخطاؤه	للشيخ حبيب الرحمن الاعظمى	

امدادالفتاوی	مولانا اشرف علی تھانوی	
فتاوی رحیمیہ	مفتی عبدالرحیم لاجپوری	
مسند البزار	للحافظ ابی بکر احمد بن عمرو البزار	مکتبة العلوم والحکم
فضائل الاوقات	للامام البیهقی	
فضائل رمضان	للحافظ ابن ابی الدنیا	
حلیة الاولیاء	للشیخ ابی نعیم الاصبهانی	دار الفکر
شرح السنة	للامام البغوی	المکتب الاسلامی
منهاج المسلم	للشیخ ابی بکر الجزائری	دار الکتب السلفیة
حکم العمل بالحدیث الضعیف بین النظریة ،و التطبیق ، والدعویٰ	فضیلة الشیخ محمد عوامة	دار الیسر
الفقه الحنفی وادلته	للشیخ اسعد الصاغرجی	دمشق ، بیروت
التحریر المختار	للعلامة الرافعی	سعید
الخلاصة الفقهیة علی مذهب السادة المالکیة	للشیخ محمد العربی القروی	دارالکتب العلمیة
الفتح الربانی فیما ذهل عنه الزرقانی	للعلامة محمد بن الحسن بن مسعود البنانی	دارالکتب العلمیة

فقه العبادات على المذهب المالكی	الحاجة کوکب عبید	دمشق سوریا
مجموع رسائل	للشیخ العلامة الملا علی القاری	
ماہنامہ	دارالعلوم دیوبند	
التعلیقات علی کتاب الترغیب	للشیخ محمد السعید بن بسیونی زغلول	
فضائل شهررجب	للشیخ الحسن بن علی الخلال	دارابن حزم
فضائل القرآن	للحافظ ابن کثیر الدمشقی	مکتبة ابن تیمیة
فضائل القرآن	للشیخ قاسم بن سلام	
فضائل سورة الاخلاص	للشیخ الحسن بن علی الخلال	
فضائل شهررمضان	للشیخ ابی حفص ابن شاهین	
فضائل القرآن	للامام احمد بن شعیب النسائی	داراحیاء العلوم
فضائل القرآن وتلاوته	للشیخ ابی الفضل الرازی	
فضائل فاطمةؓ	للشیخ ابی حفص عمر ابن شاهین	
فضائل التسمیة باحمد ومحمد	للشیخ الحسین بن احمد بن عبدالله بن بکیر	دارالصحابة للتراث
فضائل القرآن	للشیخ الفریابی	

فضائل القرآن	للشيخ محمد بن الضريس	
المتجرالرابح فی ثواب العمل الصالح	للحافظ ابی محمد الدمياطی	دار الحديث القاهرة
الزهد الكبير	للامام البيهقی	
الزهد	لابن ابی الدنيا	
الزهد	لابن ابی حاتم الرازی	
الزهد	لابن ابی داود	
الزهد	لاسد بن موسی	
الزهد	لابن ابی عاصم	
الزهد	للمعافی بن عمران	
الزهد	لهناد بن السری الكوفی	
الزهد	لوكيع بن جراح	
التعليقات علی مسند احمد	للشيخ شعيب الارنؤوط	
تحفة المودود باحكام المولود	للعلامة ابن القيم الجوزية	الرياض
شرح السنة	للامام محی السنة البغوی	المكتب الاسلامی
الكلم الطيب	للحافظ ابن تيمية	
نيل الاوطار	للعلامة الشوكانی	

ارشاد الفحول	للعلامة الشوکانی	
توجیه النظر	للشیخ محمد طاهر الجزائری	
الباعث الحثیث	للشیخ احمد محمد شاکر	
عیون الاثر	للشیخ ابن سید الناس	مکتبة القدسی
الکفایة فی علم الروایة	للشیخ ابی بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	المکتبة العلمیة المدینة المنورة
فتح الملهم	للشیخ شبیر احمد العثمانی	دار العلوم کراتشی
المثنونی و البتار فی نحر العنید المعثار الطاعن فیما صح من السنن و الآثار	للشیخ احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی المغربی	المطبعة الاسلامیة بالازهر
تمام المنة	للشیخ ناصر الدین الالبانی	
عمل الیوم و اللیلة	للامام النسائی	
الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع	للشیخ ابی بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	
تاریخ یحیی بن معین	من روایة عثمان بن سعید الدارمی	
حاشیة تهذیب الکمال	للشیخ شعیب الارنؤوط	موسسة الرسالة

فضل الاخيار وشرح مذاهب اهل الآثار وحقيقة السنن	للامام محمد بن اسحاق بن محمد بن منده	الرياض
رسالة الى اهل مكة	للامام ابى داود السجستانى	دار العربية ، بيروت
السلسلة الصحيحة	للشيخ ناصر الدين الالبانى	
التعليقات على سنن ابن ماجه	للشيخ شعيب الارنؤوط	
مسند ابى حنيفة	من رواية ابى نعيم	مكتبة الكوثر
تانيب الخطيب	للعلامة محمد زاهد الكوثرى	
عارضة الاحوذى	للشيخ ابن العربى	دارالكتب العلمية
الرسالة	للامام الشافعى	
طبقات الحنابلة	للشيخ ابى الحسين ابى يعلى	دارالمعرفة بيروت
تحفة الاحوذى	للشيخ عبدالرحمن المباركفورى	
مرعاة المفاتيح	للشيخ عبدالسلام المباركفورى	الجامعة السلفية
العجالة فى الاحاديث المسلسلة	للشيخ محمد ياسين الفادانى المكیؒ	دار البشائر الاسلامية
فتاوى الشامى	للعلامة ابن عابدين الشامى	سيعد
الباعث على انكار البدع والحوادث	للشيخ ابى شامة المقدسى	

قرة العينين على تفسير الجلالين	للقاضي الشيخ محمد احمد كنعان	دار البشائر الاسلامية
ارشيف ملتقى اهل الحديث		المكتبة الشاملة
الشهاب الثاقب في الذب عن الصحابي الجليل ثعلبة بن حاطب رضـ	للشيخ ابى أسامة سليم بن عيد الهلالى	الدار الاثرية ، عمان ، اردن
لوامع الانوار البهية وسواطع الاسرار الاثرية لشرح الدرة المضية في عقد الفرقة المرضية	للشيخ شمس الدين محمد بن احمد بن سالم السفاريني الحنبلى	دمشق